معارف کا زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ساٹھ روپیے　فی شمارہ پانچ روپیے

پاکستان میں سالانہ ایک سو پچاس روپیے

دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک پندرہ پونڈ یا چوبیس ڈالر

بحری ڈاک پانچ پونڈ یا آٹھ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ :۔ حافظ محمد یحیی شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج۔ اسٹریچن روڈ۔ کراچی

- سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں، بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH

- رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر معارف میں ضرور پہونچ جانی چاہیے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔
- خط وکتابت کرتے وقت رسالے کے لفافے کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

کمیشن ۲۵٪ ہوگا ——— رقم پیشگی آنی چاہیے۔

جلد ۱۵۲　ماہ ربیع الآخر ۱۴۱۴ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۹۳ء　عدد ۴

مضامین

شذرات

فلسطینیوں اور عربوں کے علاقے میں مغربی ممالک کی سرپرستی میں اسرائیل کی حکومت قائم ہوئی تو وہ اتنا جری اور ڈھیٹ ہے کہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کی پرواکیے بغیر توسیع پسندی کی پالیسی پر گامزن اور ہر قسم کی جارحیت کا مرتکب ہوتا رہا۔ اس نے عربوں کے مزید علاقوں پر غاصبانہ قبضہ کرکے وہاں اپنی نوآبادیاں قائم کر دیں اور مغربی ملکوں کی اسرائیل نوازی کی وجہ سے عربوں کو شکست پر شکست ہوتی رہی۔ اسرائیل نے مصر کو سینا اور غزہ پٹی سے بے دخل کیا، اردن سے دریائے اردن کا مغربی کنارہ اور مسلمانوں کا قبلہ اول بیت المقدس چھین لیا اور شام سے جنگی اہمیت والی گولان کی پہاڑیاں لے لیں، لبنان کو تباہ کر ڈالا اور فلسطینیوں کی قسمت میں دربدر کی ٹھوکر اور قتل عام آیا، ان کے خون سے جنوبی لبنان، جریکو کے نواحی علاقے اور غزہ پٹی کے ریگستان لالہ زار ہو گئے اور جب دنیائے عرب بھی ان کے لیے تنگ ہو گئی تو تیونس کا دور دراز علاقہ آزادیِ فلسطین کی تحریک کا مرکز بنا۔

پچاس۵۰ برس سے فلسطینیوں کی برات شاخِ آہو پر تھی، اب ساقیِ مغرب کی تازہ روشِ لطف و ستم سے ۱۳ ستمبر کو ان کے اور اسرائیل کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے اس کی رو سے انہیں غزہ پٹی اور اریحا میں داخلی خود مختاری ملے گی اور اگر انھوں نے معاہدہ کی شرطوں کی پابندی کی تو کچھ ڈالروں کی سوغات اور بعض مزید رعایتیں بھی ملیں گی۔ اس طرح فلسطین کے آٹھ ہزار نو سو نوے ۸۹۹۰ مربع میل رقبہ سے صرف ایک سو چھیالیس ۱۴۶ مربع میل فلسطینیوں کو واپس ملے گا اور اس میں بھی یہودیوں کی نوآبادیاں موجود رہیں گی اور باقی حصوں پر اسرائیل کا قبضہ برقرار رہے گا جس پر آزادیِ فلسطین تنظیم کے لیڈر مسٹر یاسر عرفات بہت مگن ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یہ فلسطین کی مکمل آزادی اور یروشلم کی بازیابی کی طرف پہلا قدم ہے، پتہ نہیں یہ ان کی خود فریبی ہے یا وہ فلسطینیوں کو طفل تسلی دے رہے ہیں کیونکہ اسرائیلی وزیر اعظم نے کہا ہے کہ انہیں یروشلم اور

آزادیِ فلسطین کو بھول جانا چاہیے اور انھوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ ان کے اور مسٹر اسحاق کے درمیان یروشلم پر بنیادی اختلاف ہے، دراصل ان پر اسرائیل اور تثلیث کے فرزندوں کا جادو چل گیا ہے اور وہ ان کی سازش اور فریب کا شکار ہوئے ہیں اور فلسطینی معمولی مراعات کے نتیجہ میں جنگ کے بغیر ہی ہتھیار ڈال دینے کے لیے مجبور کر دیے گئے ہیں۔

جدوجہد، قربانی اور حسن عمل کبھی رائگاں نہیں جاتا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیعُ اَجرَ المُحسِنِینَ، لیکن فلسطینیوں کی اب تک کی عظیم الشان قربانیوں کو اس معاہدہ نے رائگاں کر دیا، عام و ظاہر بیں نگاہوں کو تو ان کی قربانیاں پہلے ہی بے نتیجہ معلوم ہو رہی تھیں کیونکہ ان کا کوئی حاصل محسوس طور پر نہیں نظر نہیں آتا تھا بلکہ الٹے ان کی پریشانیاں روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں یہانتک کہ وہ اپنی جدوجہد میں بالکل تن تنہا رہ گئے تھے، مصر بہت پہلے ہی اسرائیل سے سمجھوتہ کر چکا تھا جیکے بعد وہ عرصہ تک عربوں میں مطعون رہا مگر اب اسی کے نقش قدم پر اردن، شام اور لبنان بھی گامزن ہیں، دوسرے مسلم ملکوں کو بھی جو امریکہ کے زیر اثر اور دباؤ میں ہیں اس معاہدہ کو ماننے اور اسرائیل کو تسلیم کرتے ہی بنے گی۔

مغرب کے شعبدہ بازوں نے عرب قومیت اور نیشنلزم کا صور پھونک کر مسلمانوں کو اسلام سے بے گانہ کر دیا ہے اور ان کی حکومتوں کے ٹکڑے کر کے انہیں کمزور اور بے دم بنا دیا ہے جن کی سرکوبی کے لیے اسرائیل کو پوری طرح مسلح اور مضبوط کر دیا ہے، یاسر عرفات جیسے سوشلسٹ اور سیکولر لیڈر کا اصل سہارا ماسکو تھا جو اب قصہ پارینہ بن چکا ہے ان حالات میں انھوں نے ساحرِ الموت کے برگِ حشیش اور غریبوں کو دی جانے والی اہل ثروت کی زکوٰۃ کو بھی نعمت غیر مترقبہ سمجھا اور چند کلیوں پر قناعت کر کے قبلہ اول کی بازیابی کو خواب و خیال اور اسرائیل کو ایک تسلیم شدہ حقیقت بنا دیا، ان کے اس اقدام سے اسلام کے فدائی فلسطینیوں میں جن کو بنیاد پرست کہا جاتا ہے شدید بے چینی پائی جاتی ہے اور اندیشہ ہے کہ اسرائیل کو نیست و نابود

کر دینے کا عہد کرنے والے کہیں خانہ جنگی میں پڑ کر خود کو نیست و نابود نہ کر ڈالیں۔

جناب شانتی رنجن بھٹاچاریہ کے انتقال سے اردو زبان اپنے ایک مخلص خادم اور زبردست شیدائی سے محروم ہو گئی وہ موجودہ بنگلہ دیش کے ضلع جیسور میں پیدا ہوئے تھے اور ان کی تعلیم حیدر آباد میں ہوئی تھی مگر کلکتہ ان کی سرگرمیوں کا مرکز رہا وہ عرصہ تک مغربی بنگال کے محکمۂ اطلاعات سے اور کچھ عرصہ تک مرکزی وزارت اطلاعات و نشریات سے بھی وابستہ رہے، جناب شانتی رنجن بنگالی اور اردو دونوں کے ماہر اور اردو کے ممتاز مصنف تھے۔ انھوں نے بنگلہ ادب کی تاریخ کے علاوہ بنگالی ناولوں کے ترجمے سے بھی اردو کے سرمایہ میں اضافہ کیا، وہ انجمن ترقی اردو کی مجلس عام اور اردو یونیورسٹی کمیٹی کے رکن بھی تھے، بنگال میں اردو کے فروغ اور مغربی بنگال اردو اکیڈمی کے قیام میں ان کا بڑا دخل تھا، ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں میر اکیڈمی لکھنؤ اور ساہتیہ اکیڈمی دہلی سے انہیں ایوارڈ بھی ملے، شانتی رنجن جی ہماری مشترکہ تہذیب کے عاشق اور صحیح معنوں میں سیکولر تھے، ہر شخص سے خوش اخلاقی اور گرم جوشی سے ملتے، راقم سے بھی دو بار ملاقات ہوئی تو اپنے خلوص و محبت کا نقش دل پر بیٹھا گئے۔

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ نے موجودہ ڈائرکٹر ڈاکٹر عابد رضا بیدار کے دور میں ہمہ جہتی ترقی کی ہے ان کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ اہم اور نادر مخطوطات پر متعدد جنوبی ایشیائی علاقائی سمینار کراتے رہے ہیں، اس سال نومبر کے آخر میں "ہندوستان اور وسط ایشیا کے تعلقات" کے موضوع پر جو اہم سمینار ہونے والا ہے اس کا افتتاح وزیر اعظم کریں گے اور اس میں مختلف فنون کے فضلاء و ماہرین شرکت کریں گے۔

مقالات

علامہ شبلی کی شعر فہمی اور شعر العجم کا ایک مطالعہ[1]

از

ضیاء الدین اصلاحی

تاریخ، سوانح، ادب، تنقید، کلام اور فلسفہ غرض ہر میدان علامہ شبلیؒ کی جولان گاہ رہا ہے۔ تنوع یا رنگا رنگی انکا طرۂ امتیاز ہے، نثر کے ساتھ نظم بھی انکی قلمرو میں داخل تھی، اردو اور فارسی دونوں میں شاعری کے جوہر دکھائے ہیں، لیکن اردو غزلیں فارسی کی ٹکر کی نہیں ہیں، شعرگوئی سے زیادہ شعر فہمی کا ملکہ تھا، نقد شعر میں بڑے دقیقہ رس اور نہایت نکتہ سنج تھے اردو کے مشہور ادیب و انشاپرداز مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم رقمطراز ہیں:۔

"میں علامہ کے اور کمالات کا قائل تو تھا ہی لیکن انکی سخن فہمی کو اپنا جزء ایمان بنائے ہوئے تھا اور معمول کچھ ایسا تھا کہ جب کوئی شعر پسند آجاتا تو اسے کسی نہ کسی بہانے مولانا کے کان تک پہنچا دیتا؛ اب اگر کہیں انھوں نے داد دیدی یا میرے انتخاب پر صاد کر دیا تو جیسے مجھے سب کچھ مل گیا، لیکن اگر کہیں انھوں نے خاموشی یا بے رخی برتی تو معاً وہ شعر میری نظر سے بھی گر جاتا تھا" (معارف جلد ۹۵، عدد ۳، مارچ ۱۹۶۵ء ص ۱۹۲)

شعر العجم اور موازنۂ انیس و دبیر کی اور خوبیوں سے قطع نظر یہ دونوں کتابیں ادب و بلاغت میں علامہ کی نکتہ دانی، شعر میں باریک بینی و ژرف نگاہی، نقد شعر میں بصیرت

---

[1] یہ مضمون بمبئی یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے سمینار میں پڑھا گیا جو ۲۴، ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو ہوا تھا۔

اور سخن فہمی کے لحاظ سے بھی انکا شاہکار ہیں، مولانا دریابادی فرماتے ہیں :۔

"شبلی جس پایہ کے سخن گو تھے، اس سے بڑھکر سخن فہم تھے، تنقید کا فن جتنا بھی ترقی کرجائے، شبلی نے کلام فارسی پر جو بہترین تبصرے اپنی شعرالعجم میں کر دیے اور اردو کی رزمیہ شاعری اور فن بلاغت سے متعلق جو مبصرانہ نکتے "موازنہ انیس و دبیر" میں لکھ دیے ہیں، ان سے کوئی طالب علم چاہے ادبیات فارسی کا ہو یا ادبیاتِ اردو کا، شاید ہی مستغنی ہو سکے اور طالب علم تو خیر منتہی ہو جانے کے بعد بھی طالب علم ہی رہتا ہے، ان موضوعوں پر جو اچھے منجھے ہوئے اہل قلم ہیں، وہ بھی ان کتابوں سے روشنی ہی حاصل کرتے رہیں گے۔" (ایضاً ص۲۰)

اس موقع پر موازنہ سے تعرض مقصود نہیں ہے، لیکن شعرالعجم سے علامہ کی شاعرانہ نکتہ آرائیاں اور ناقدانہ و مبصرانہ تجزیے پیش کر کے ان کی شاعرانہ بصیرت اور شعر فہمی کے کمالات دکھانے کی کوشش کی جائے گی۔ علامہ کی سخن فہمی اور شعری بصیرت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ واقعہ کافی ہے کہ

۱۹۱۳ء میں مچھلی بازار کانپور کی مسجد کے انہدام پر سارے ہندوستان میں کہرام مچ گیا تھا، اس سانحہ پر علامہ نے خوب خوب نظمیں لکھیں جو مدت تک سب کی زبانوں پر تھیں، وہ اس وقت بمبئی میں تھے، ان کی پہلی نظم یہ نکلی۔

پہنائی جارہی ہیں عالمانِ دین کو زنجیریں
یہ زیور سید سجاد علی کی وراثت ہے

اس میں ایک جگہ پولیس کی گولیوں سے بوڑھوں اور بچوں کی شہادت کے مضمون کے ضمن میں ایک شعر اس طرح موزوں کیا تھا :

عجب کیا ہے جو نوخیزوں نے سب سے پہلے جانیں دیں
یہ لڑکے ہیں بہت جلد ان کو سو جانے کی عادت ہے

اسی زمانہ میں ثاقب لکھنوی علامہ سے ملنے کے لیے آئے تو انہیں یہ نظم سنائی، انھوں نے مندرجہ بالا شعر کے متعلق کہا کہ دوسرے مصرعہ میں اگر دو لفظ بدل دیے جائیں تو مصرعہ اور چست ہو جائے، لڑکے کی جگہ بچے اور بہت جلد کی جگہ سویرے، اس ترمیم کے بعد مصرعہ یوں ہو گیا ع یہ بچے ہیں سویرے ان کو سو جانے کی عادت ہے۔

معاصرین کو کون خاطر میں لاتا ہے پھر ثاقب تو علامہ سے سن و سال ہی میں نہیں علم و فضل میں بھی کمتر تھے لیکن علامہ سخن فہم تھے اس لیے بلا تامل ثاقب کا مشورہ مان لیا جو انکے سخن فہم ہونے کے علاوہ بڑے عالی ظرف ہونے کا...... ثبوت بھی ہے۔

شعرالعجم علامہ کی سخن فہمی اور فن شعر میں ژرف نگاہی کا تماشا گاہ ہے، اس میں نقد شعر کی انکی قوت و بصیرت حد کمال پر دکھائی دیتی ہے جب وہ اشعار کی گرہیں کھولنے پر آتے ہیں اور بلاغت کے رموز بیان کرتے ہیں تو وجدان جھوم جھوم اٹھتا ہے، اشعار کا مطلب بیان کرنے میں دقیقہ سنجی اور نکتہ آرائی کرتے ہیں تو ذوق سلیم عش عش کرنے لگتا ہے، وہ شاعر کتنا خوش قسمت ہے جسکے شعر علامہ کے انتخاب میں آئے یا جن کی لطافتوں اور نزاکتوں کی جانب وہ متوجہ ہوئے، حقیقت یہ ہے کہ جن شعروں سے عام اور سطحی لوگ سرسری گذر جاتے ہیں، علامہ کا شعر فہم اور نکتہ شناس ذہن ان کے حقایق و دقائق بیان کر کے ان کو کیا سے کیا بنا دیتا اور زمین سے آسمان پر پہنچا دیتا ہے، شعرالعجم کے خورده گیروں اور نکتہ چینوں کو علامہ کی روح عالم بالا سے یہ صدا ضرور دیتی ہوگی۔

نواسنجیوں نے تری اے انیسؔ
ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا

علامہ شبلیؒ کی مزیت کے اسباب اور بھی ہیں، لیکن سخن شناسی اور سخن فہمی ان کی غیر معمولی خوبی اور بڑی نمایاں خصوصیت ہے، جس میں وہ علانیہ ممتاز ہیں۔

شعر کی حقیقت اور شاعر کی تعریف

شعرالعجم کے مشمولات سے فارسی زبان وادب پر علامہ کے عبور اور اس میں ان کی نکتہ دانی اور سخن فہمی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، شعر کی حقیقت ونوعیت پر جو بحث وگفتگو کی ہے وہی ان کے نکتہ سنج اور شعر فہم ہونے کا مکمل ثبوت ہے، ارسطو کے بیان کے مطابق شعر ایک قسم کی مصوری یا نقالی ہے لیکن علامہ کہتے ہیں مصور صرف مادی اشیا کی تصویر کھینچ سکتا ہے، بخلاف اس کے شاعر ہر قسم کے خیالات، جذبات اور احساسات کی تصویر کھینچ سکتا ہے، مثلاً ایک شخص کا عزیز دوست جدا ہو رہا ہے اس حالت میں اس پر جو صدمے گذرتے ہیں اور دلدوز خیالات کا جو طوفان اس کے دل میں اٹھتا ہے، شاعر اس کی تصویر اس طرح کھینچ سکتا ہے کہ اگر رنج وغم مادی چیزیں ہوتیں اور ان کی تصویر کھینچی جاتی تو وہی ہوتی جو شاعر نے الفاظ کے ذریعے کھینچی تھی۔ دریا کی روانی، جنگل کا سناٹا، باغ کی شادابی، سبزہ کی لہک، خوشبو کی لپٹ، نسیم کے جھونکے، دھوپ کی شدت، گرمی کی تپش، جاڑوں کی ٹھنڈ، صبح کی شگفتگی، شام کی دلآویزی یا رنج وغم، غیظ، غضب، جوش محبت، افسوس، حسرت، خوشی ان اشیا کا اس طرح بیان کرنا کہ ان کی صورت آنکھوں میں پھر جائے یا وہی اثر دل پر طاری ہو جائے، یہی شاعری ہے۔

قدرت کے مظاہر خواہ مادی ہوں یا غیر مادی، ان کا اثر ہر شخص کے دل پر پڑتا ہے لیکن اثر کے مراتب متفاوت ہیں، جو شخص ان مظاہر قدرت سے عام لوگوں کی نسبت زیادہ متاثر ہو اور بعینہ اس اثر کو الفاظ سے بھی ادا کر سکتا ہو، وہی شاعر ہے، اس کے جذبات واحساسات فطرتاً نہایت نازک، لطیف اور سریع الاشتعال ہوتے ہیں۔

حاصل بحث یہ ہے کہ جو شخص واقعات اور مظاہر قدرت سے اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ

متاثر ہوا اور اس اثر کو الفاظ کے ذریعہ سے پورا پورا ظاہر کر سکتا ہو وہی شاعر ہے، انسان پر خاص خاص حالتیں طاری ہوتی ہیں، شعر بھی ایک خاص حالت کا نام ہے، شاعر کی طبیعت پر رنج یا خوشی یا غصہ یا استعجاب کے طاری ہو جانے کے وقت ایک خاص اثر پڑتا ہے اور یہ اثر موزوں الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے اسی کا نام شاعری ہے۔[1]

علامہ کے نزدیک خدا کے بخشے ہوئے مختلف اعضا وقویٰ کے فرائض الگ الگ ہیں لیکن دو قوتیں تمام افعال وارادات کا سرچشمہ ہیں ادراک اور احساس، ادراک کا کام اشیا کا معلوم کرنا اور استدلال واستنباط سے کام لینا ہے، ہر قسم کی ایجادات، تحقیقات، انکشافات اور تمام علوم وفنون اسی کے نتائج عمل ہیں، احساس کا کام کسی چیز کا ادراک کرنا، کسی مسئلہ کا حل کرنا یا کسی بات پر غور کرنا اور سوچنا نہیں ہے بلکہ جب کوئی موثر واقعہ پیش آتا ہے تو وہ متاثر ہو جاتا ہے، غم کی حالت میں صدمہ ہوتا ہے، خوشی میں سرور ہوتا ہے، حیرت انگیز بات پر تعجب ہوتا ہے، یہی قوت جس کو احساس، انفعال یا فیلنگ سے تعبیر کر سکتے ہیں، شاعری کا دوسرا نام ہے اور یہی احساس جب الفاظ کا جامہ پہن لیتا ہے تو شعر بن جاتا ہے۔ (شعرالعجم ج ۴ ص ۲ و ۳ مطبع معارف ۱۹۵۱ء)

علامہ کے بیان کے مطابق حیوانات پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو وہ مختلف قسم کی آوازوں یا حرکتوں کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے، مثلاً شیر کی گونج، طاؤس کی جھنکار، کوئل کی کوک، سانپ کا لہرانا اور بلبل کا ترانہ، اسی طرح انسان پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے اور جس طرح حیوانات کے جذبات کبھی حرکات کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں مثلاً طاؤس ناچنے لگتا ہے، سانپ

---

[1] شعرالعجم ج ۱ ص ۱۱ تا ۱۳ مطبع معارف اعظم گڈھ ۱۹۸۶ء۔

جھومتا اور لہراتا ہے، اسی طرح انسان کو چونکہ نطق کے ساتھ نغمہ کا ملکہ بھی عطا ہوا ہے، اس لیے موزوں الفاظ منھ سے نکلتے ہیں اور ساتھ ہی انسان غنغنانے بھی لگتا ہے اور جب یہ جذبہ زیادہ تیز ہو جاتا ہے تو انسان ناچنے لگتا ہے، یہ سب باتیں جمع ہو جائیں تو یہی اصلی شعر ہے۔[1]

شعر کی یہ حقیقت و خصوصیت وہی بیان کر سکتا ہے جو شعر کا نکتہ داں، ادا شناس اور نہایت باریک بیں، دقیقہ سنج اور شعر فہم ہو۔ علامہ نے شعر کے اصلی عناصر اور اسکے عوارض و مستحسنات کی حقیقت و نوعیت الگ سے بھی بیان کی ہے اور شاعری کی مختلف اصناف اور شعرا کے حالات کے ضمن میں بھی جا بجا ان چیزوں کے نکات واضح کیے ہیں جن سے ان کے مذاق کی لطافت و بلندی، شاعرانہ مزاج شناسی اور شعر فہمی کا اندازہ کافی حد تک ہوتا ہے۔

علامہ کے نزدیک شاعری اصل میں دو چیزوں کا نام ہے محاکات اور تخییل اگر ان میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جائے تو شعر شعر کہلانے کا مستحق ہوگا۔ باقی اور اوصاف یعنی سلاست، روانی، صفائی، حسنِ بندش وغیرہ کو وہ شعر کے اجزائے اصلی کے بجائے عوارض و مستحسنات کا نام دیتے ہیں۔[2]

محاکات: علامہ کے نکتہ طراز قلم نے محاکات کی یہ حقیقت بتائی ہے کہ کسی چیز یا کسی حالت کا اس طرح ادا کرنا کہ اس شے کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے، تصویر میں گو مادی اشیا کے علاوہ حالات یا جذبات کی تصویر کھینچی جا سکتی ہے، چنانچہ عمدہ مصور انسان کی ایسی تصویر کھینچ سکتا ہے کہ چہرہ سے جذبات انسانی رنج، خوشی، تفکر،

۱۔ شعر العجم جلد اول ص ۱۳ و ۱۴ ۔ ۲۔ ایضاً ج ۴ ص ۶ ۔

حیرت، پریشانی اور بے تابی ظاہر ہو لیکن سینکڑوں اور گوناگوں واقعات، حالات اور واردات اس کی دسترس سے باہر ہیں، قاآنی بہار کا یہ سماں دکھاتا ہے۔

نرمک نرمک نسیم، زیر گلاں می خزد — غبغبِ ایں می کند عارضِ آں می مزد
سنبلِ ایں می کشد گردنِ آں می گزد — گہ بہ چمن می چمد، گہ بہ سمن می وزد
گاہ بہ شاخِ درخت گہ بہ لبِ جوئبار

مولانا کے سحر طراز قلم نے ان اشعار کے ترجمے میں جو لطافت دکھائی ہے، وہ ان کی سخن فہمی کا آئینہ دار ہے:

"ہلکی ہلکی ہوا آئی، پھولوں میں گھسی، کسی پھول کا گال چوم لیا، کسی کی ٹھوڑی چوس لی، کسی کے بال کھینچے، کسی کی گردن دانت سے کاٹی، کیاریوں میں کھیلتے کھیلتے چنبیلی کے پاس پہنچی اور درخت کی ٹہنیوں میں سے ہوتی ہوئی نہر کے کنارے پہنچ گئی۔"

شاعرانہ لطافتوں سے معمور یہ ترجمہ کرنے کے بعد یہ سوال کرتے ہیں "اس سماں کو مصور تصویر میں کیونکر دکھا سکتا ہے؟"[1]

جب مادی اشیا کا یہ حال ہے تو وہ فرماتے ہیں کہ خیالات، جذبات اور کیفیات کا ادا کرنا اور زیادہ مشکل ہے مثلاً

نسب نامۂ دولتِ کیقباد — ورق بر ورق ہر سوئے برد باد

شعر کا یہ خیال کہ "دارا کے مرنے سے کیانی خاندان بالکل برباد ہو گیا" بتانے کے بعد وہ دریافت کرتے ہیں کہ "یہ تصویر کے ذریعہ سے کیونکر ادا ہو سکتا ہے؟"[2]

ایک دوسری جگہ علامہ نے اسی شعر کو استعارات اور تشبیہات کی مثال میں

۱۔ شعر العجم ج ۴ ص، ۲۔ ایضاً ص،

نقل کر کے اس کی اس قدر بلیغ توضیح کی ہے کہ طبیعت بے اختیار وجد میں آجاتی ہے ملاحظہ ہو:

"دارا سلسلۂ کیانی کا آخری فرماں روا تھا، اس کے مرنے سے گویا اس عظیم الشان خاندان کی تاریخ مٹ گئی، اس مضمون کو تشبیہ نے کس قدر موثر اور بلند کر دیا دارا کو خاندان کیانی کا نسب نامہ کہا یعنی جس طرح نسب نامہ میں تمام خاندان کے نام درج ہوتے ہیں، دارا کا وجود گویا تمام خاندان کا وجود ہے اور اس کے دیکھنے سے کیقباد، کیخسرو، کیکاؤس سب کی مجموعی عظمت و شوکت آنکھوں میں پھر جاتی ہے، پھر اس کے مرنے کو یوں بیان کیا کہ نسب نامۂ کیانی کا ایک ایک ورق اڑ گیا (ج ا ص ۲۷۶)

علامہ ہوس پیشہ عاشقوں کو اکثر پیش آنے والی اس واردات کا ذکر کرتے ہیں کہ کسی معشوق سے دل لگاتے ہیں، چند روز بعد اس کی بے مہریوں اور کج ادائیوں سے تنگ آکر اسے چھوڑ کر کسی اور سے دل لگانا چاہتے ہیں، پھر رک جاتے ہیں کہ ایسا دلفریب معشوق کہاں ہاتھ آئے گا، گویا آپ ہی آپ روٹھتے اور منتے رہتے ہیں اور معشوق کو خبر تک نہیں ہوتی، اس حالت کو شاعر یوں ادا کرتا ہے۔

صد بار جنگ کردہ بہ او صلح کردہ ایم   اورا خبر نبودہ ز صلح و ز جنگ ما

علامہ نے بالکل بجا لکھا ہے کہ "اس حالت کو تصویر میں دکھانا ممکن نہیں ہے، مگر شاعرانہ مصوری ہر خیال، ہر واقعہ، ہر کیفیت کی مصوری کر سکتی ہے"[1] تصویر اور محاکات کے دو بڑے فرق بتا کر وہ اپنی ادب و بلاغت شناسی اور شاعرانہ نکتہ طرازی کا یہ ثبوت دیتے ہیں:۔

"کسی چیز کا ایک ایک خال و خط دکھانا تصویر کی اصل خوبی ہے ورنہ وہ ناتمام اور

[1] شعر العجم ج ۴ ص ۸۔

غیر مطابق ہوگی لیکن شاعر صرف جذبات پر اثر انداز ہونے والی چیزوں کو لیتا اور نمایاں کرتا ہے، باقی چیزوں کو چھوڑ دیتا یا دھندلا رکھتا ہے مثلاً پھول کی تصویر میں ایک ایک پنکھڑی اور ایک ایک رگ و ریشہ کو دکھانا مصور کا کمال ہے لیکن شاعر ممکن ہے ان چیزوں کو اجمالاً یا غیر نمایاں صورت میں دکھائے تاہم مجموعے سے وہ اثر پیدا کر دیگا جو اصلی پھول کے دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے"[1]

دونوں میں دوسرا فرق یہ ہے کہ مصور تصویر سے زیادہ سے زیادہ وہ اثر پیدا کر سکتا ہے جو خود اس چیز کے دیکھنے سے پیدا ہوتا لیکن شاعر ہر جز نمایاں نہ کرنے کے باوجود اس سے زیادہ اثر پیدا کر سکتا ہے جو اصل چیز کے دیکھنے سے پیدا ہو سکتا ہے مثلاً سبزہ پر شبنم بکھر کر وہ اثر نہیں پیدا ہو سکتا جو اس شعر سے پیدا ہو سکتا ہے۔

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا   تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا[2]

تخییل | محاکات کے بعد وہ تخییل کی حقیقت سمجھاتے ہیں اور ہنری لوئیس کی اس تعریف کو غیر جامع و مانع بتاتے ہیں کہ "وہ قوت جو ان اشیا کو جو غیر مرئی ہیں یا جو ہمارے حواس کی کمی کی وجہ سے ہم کو نظر نہیں آتیں ہماری نظر کے سامنے کر دے" کیونکہ اس قسم کی چیزوں کی منطقی، جامع اور مانع تعریف نہیں ہو سکتی ان کے خیال میں یہ قوت اختراع کا نام ہے، ان کے نزدیک فلسفہ اور شاعری میں قوت تخییل کی ضرورت یکساں ہوتی ہے، فلسفہ میں ایجاد و اکتشافِ مسائل کا کام دیتی ہے اور شعر میں شاعرانہ مضامین پیدا کرتی ہے، دونوں کے اغراض و مقاصد مختلف اور دونوں کی قوتِ استعمال کے طریقے الگ الگ ہیں، فلسفہ و سائنس میں علمی مسئلہ حل کرنے کے لیے قوتِ تخییل کا استعمال

[1] شعر العجم ج ۴، ص ۸ [2] ایضاً۔

ہوتا ہے لیکن شاعری میں اس سے جذباتِ انسانی کو تحریک دینے کا کام لیا جاتا ہے، فلسفی کو واقع میں موجود سے غرض ہے اور شاعر ان موجودات سے بھی کام لیتا ہے جو مطلق موجود نہیں، فلسفہ کے دربار میں ہما، سیمرغ، گاؤزمین، تخت سلیمان کی مطلق قدر نہیں لیکن یہی چیزیں ایوانِ شاعری کے نقش و نگار ہیں، فلسفی کی زبان سے سیمرغ زریں پر کا لفظ نکلنے پر ہر طرف سے ثبوت کا مطالبہ ہوگا، لیکن شاعر کا عالم خیال اسی قسم کی فرضی مخلوقات سے آباد ہے اور کوئی اس سے ثبوت کا طالب نہیں ہوتا۔

علامہ کی نکتہ آرائی دیکھئے فرماتے ہیں ایک پھول دیکھکر سائنسداں تحقیق کرنا چاہتا ہے کہ وہ نباتات کے کس خاندان سے ہے، اس کے رنگ میں کن رنگوں کی آمیزش ہے، اس کی غذا زمین کے کن اجزا سے ہے، اس میں نر و مادہ دونوں کے اجزا ہیں یا صرف ایک کے، لیکن شاعر کو ان چیزوں سے غرض نہیں، پھول دیکھکر بے اختیار اس کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے ع اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری[1]

اسی طرح کی مثالیں دینے کے بعد وہ اشعار سے قوت تخیل کی حقیقت واضح کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ قوت تخیل کے ذریعہ شاعر نیا دعویٰ کرتا اور خیالی دلائل پیش کرتا ہے، ممکن ہے منطقی اس کی دلیل نہ تسلیم کرے لیکن قوت تخیل کے ذریعہ اس نے جن کو اپنا معمول کر لیا ہے ان کو اسے تسلیم کرنے میں مطلق تامل نہیں ہو سکتا مثلاً

دوش از برم چو رفتی آگہ نگشتم آرے عمرے در رفتن عمر آواز پا نہ دارد

مطلب یہ ہے کہ معشوق جو گود سے نکل کر چلا گیا تو مجھ کو خبر نہیں ہوئی کیونکہ معشوق عاشق کی زندگی ہے اور زندگی جانے کی آہٹ معلوم نہیں ہوتی۔ علامہ نے اس

[1] شعر العجم ج ۴، ص ۹ و ۱۰۔

دلیل کے دو مقدمے بتائے ہیں۔

۱۔ معشوق عاشق کی زندگی ہے ۲۔ زندگی کے جانے کی آہٹ نہیں معلوم ہوتی اور سوال کیا ہے کہ ان میں سے تم کس کا انکار کر سکتے ہو[1]

آگے علامہ نے یہ نکتہ بیان کر کے بھی اپنے سخن شناس اور شعر فہم ہونے کا ثبوت دیا ہے کہ گو تخییل و محاکات دونوں شعر کے عنصر ہیں مگر شاعری دراصل تخییل کا نام ہے، اسی سے محاکات میں جان آتی ہے، قوت محاکات جو کچھ دیکھتی یا سنتی ہے اس کو الفاظ کے ذریعہ بعینہ ادا کر دیتی ہے، ان چیزوں میں ایک خاص ترتیب پیدا کرنا، تناسب اور توافق کو کام میں لانا، ان پر آب و رنگ چڑھانا قوت تخییل کا کام ہے۔

علامہ شبلی جیسا نکتہ دانِ ادب و بلاغت اور شعر فہم ہی قوت تخییل کے یہ کمالات بتا اور دکھا سکتا ہے، فرماتے ہیں قوت تخییل ایک چیز کو سو سو دفعہ دیکھتی ہے اور ہر دفعہ اسکو اس میں ایک نیا کرشمہ نظر آتا ہے، پھول کو تم نے سیکڑوں بار دیکھا ہوگا اور ہر دفعہ تم نے صرف اس کے رنگ و بو سے لطف اٹھایا ہوگا لیکن شاعر قوت تخییل کے ذریعہ سے ہر بار نئے نئے پہلو سے دیکھتا ہے اور ہر دفعہ اس کو نیا عالم نظر آتا ہے، وہ اس کی خوشبو سے لطف اٹھاتا ہے تو بے ساختہ معشوق کی بوئے خوش یاد آ جاتی ہے اور کہتا ہے ع

اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری اے پھول میں تجھ سے خوش ہوں تجھ سے کسی کی خوشبو آ رہی ہے۔

وہ دیکھتا ہے کہ دو ہی چار روز کے عرصہ میں پھول کا درخت اگا، کلی پھوٹی، پھول کھلا اور پھر خشک ہو کر گر پڑا۔ اس سے اس کو زمانہ کی بے وفائی کا خیال آتا ہے اور کہتا ہے

بے مہریٔ دہر بیں کہ در یک ہفتہ گل سر زد و غنچہ کرد و بشگفت و بریخت

[1] شعر العجم ج ۴، ص ۱۱۔

(ترجمہ) زمانہ کی سرد مہری دیکھو کہ ایک ہی ہفتہ میں پھول نے سر نکالا، غنچہ ہوا، کھلا اور پھر گر پڑا۔

پھول پر شبنم دیکھتا ہے تو کہتا ہے:۔

نہ شبنم است چمن را بروئے آتش ناک — عرق زروئے تو کردہ است گل بدامن پاک

یعنی شبنم نہیں ہے بلکہ پھول نے اپنے دامن سے معشوق کے چہرہ کا پسینہ پونچھا ہے۔

ہری بھری ٹہنی میں پھول دیکھے تو خیال پیدا ہوا کہ شراب کے لال لال گلاس ہیں پھر یہ رشک ہوا کہ کاش میں بھی ایک ہاتھ میں اس قدر گلاس لے سکتا، اس خیال کو یوں ادا کرتا ہے:۔

دیدہ ام شاخِ گلے برخویش می پیچم کہ کاش — می توانستم بہ یک دست ایں قدر ساغر گرفت

(ترجمہ) میں نے ایک پھول کی شاخ دیکھی، مجھ کو رشک آتا ہے کہ کاش میں بھی ایک ہاتھ میں اتنے پیالے لے سکتا۔

پھول میں جو زیرے ہوتے ہیں ان کو زرِ گل کہتے ہیں، کلی جب کھلتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گرہ کھل رہی ہے، ان دونوں باتوں کے مجموعہ سے شاعر نے یہ خیال پیدا کیا:۔

در چمن باد سحر بوئے تو سودا می کرد — گل بکف داشت زر و غنچہ گرہ وا می کرد

(ترجمہ) باغ میں باد صبا معشوق کی خوشبو فروخت کر رہی تھی اسلیے اسکو خریدنے کو پھول کے ہاتھ میں زر تھا کلی گرہ کھول رہی تھی۔

اوچھے اور کم ظرف لوگوں کا قاعدہ ہے کہ ہر شخص سے پہلی ہی ملاقات میں بے تکلف ہو جاتے ہیں اور کھل کھیلتے ہیں، لیکن باوقار لوگ جب کسی مجلس میں پہلے پہل شریک ہوتے ہیں تو رکے رکے رہتے ہیں، شاعر نے دیکھا کہ پھول جب نکلتا ہے تو غنچہ ہوتا ہے پھر کھل کر پھول بن جاتا ہے، اس سے اس کو خیال پیدا ہوا کہ یہ وہی اصول ہے، چنانچہ کہتا ہے:۔

در مجلسے کہ تازہ در آئی گرفتہ باش — اول بباغ غنچہ گرہ برجبیں زند

علامہ گرفتہ کے معنی رکے رہنے کے بتاتے ہیں اور گرہ برجبیں زدن کو بھی اسی کے

قریب بتایا ہے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ جس مجلس میں پہلے پہل جاؤ تو خودداری کے ساتھ بیٹھو، غنچہ جب باغ میں آتا ہے تو اس کی پیشانی پر گرہ ہوتی ہے۔

پھول کے پتے کو ہوا میں اڑتے دیکھا تو خیال پیدا ہوا کہ باغ نے خط دیکھ معشوق کے پاس قاصد بھیجا ہے۔

برگ گل را بکف باد صبا می بینم — باغ ہم جانب او نامہ برے پیدا کرد

(ترجمہ) باد صبا کے ہاتھ میں پھول کا پتہ نظر آتا ہے، غالباً باغ نے معشوق کے ہاں قاصد بھیجا ہے۔

سرخ سرخ پھول دیکھے تو خیال ہوا کہ باغ میں چراغاں کیا گیا ہے، اوپر بادل نظر پڑے تو سمجھا کہ یہ اسی کا دھواں ہے۔

ابر در صحن چمن دود چراغان گل است

اگلے زمانہ میں دستور تھا کہ جب کوئی کتاب یا کاغذ بے کار ہو جاتا تھا تو اس کو پانی سے دھو ڈالتے تھے، شاعر نے پھول کا پتہ پانی میں تیرتے ہوئے دیکھا تو خیال ہوا کہ

دفترِ حسن بہار است کہ در عہد تو شست — برگ گل نیست کہ از باد در آب افتادہ است

یعنی یہ پھول کا پتہ نہیں جو پانی میں نظر آرہا ہے بلکہ بہار نے معشوق کا حسن دیکھکر اپنے حسن کا دفتر پانی سے دھو ڈالا۔

کسی خوش رو حسین کے ہاتھ میں پھول دیکھا تو اس سے زیادہ خوشنما معلوم ہوا جتنا اس وقت معلوم ہوتا تھا جب وہ ٹہنی میں تھا، اس بنا پر کہتا ہے:۔

زغارت چمنت، بر بہار منت ہاست — کہ گل بدستِ تو از شاخ تازہ تر ماند

(ترجمہ) تونے باغ کو لوٹا، بہار پر احسان کیا کیونکہ تیرے ہاتھ میں پھول اس سے زیادہ خوشنما ہے جتنا پہلے تھا یعنی جب ٹہنی میں تھا۔

پو پھٹتے جو روشنی پھیل جاتی ہے اس کو شیر صبح کہتے ہیں، تبسم اور ہنسی کو شیریں باندھتے

ہیں، صبح کے وقت پھولوں کا کھلنا نہایت خوشگوار ہوتا ہے، ان باتوں سے شاعر کی قوت تخیل نے یہ خیال پیدا کیا:

شیرینیِ تبسم ہر غنچہ را مپرس — در شیر صبح خندۂ گل ہا شکر گذاشت

یعنی غنچہ کے تبسم میں جو شیرینی ہے اس کا بیان نہیں ہو سکتا یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیر صبح میں خندۂ گل نے شکر گھول دی ہے۔

اس قسم کے سیکڑوں خیالات ہیں جو قوت تخیل نے صرف ایک پھول سے پیدا کیے، اس سے اندازہ کر سکتے ہو کہ قوت تخیل کی موشگافیاں اور دقیقہ آفرینیاں کس حد تک ہیں۔[1]

قوت تخیل کی ان موشگافیوں اور دقیقہ آفرینیوں کے بیان سے خود علامہ کے نکتہ رس ذہن، باریک بیں طبیعت اور شعر فہمی کا اندازہ کرو کہ ان کی گل افشانی قلم نے شعر العجم کے ورق ورق کو دامان باغبان و کف گل فروش بنا دیا ہے میر انیس کے بقول

ع اک پھول کا مضمون ہو تو سو طرح سے باندھوں

شاعری کے عوارض

علامہ کے گہر بار قلم نے محاکات اور تخیل کے بارے میں گوناگوں قسم کی نکتہ طرازیاں کی ہیں لیکن اب ہم شاعری کے عوارض کے متعلق ان کے قلم کی گلکاریوں کی جانب متوجہ ہوتے ہیں:۔

تشبیہ و استعارہ

علامہ تشبیہ و استعارہ کو شاعری بلکہ عام زبان آوری کے خط و خال بتاتے ہیں جن کے بغیر انشا پردازی کا جمال قائم نہیں رہ سکتا، فرماتے ہیں کہ اکثر موقعوں پر تشبیہ یا استعارہ سے کلام میں جو وسعت اور زور پیدا ہوتا ہے وہ اور کسی طریقہ سے نہیں پیدا ہو سکتا، مثلاً اگر اس مضمون کو کہ فلاں موقع پر نہایت کثرت سے آدمی تھے یوں ادا کیا جائے کہ

[1] شعر العجم ج ۴، ص ۳۳ تا ۳۵۔

"وہاں آدمیوں کا جنگل تھا" تو کلام کا زور اور بڑھ جائے گا، اس جملہ کی بلاغت کی توضیح میں جو نکتہ آرائی اور دقیقہ سنجی کی ہے اس سے طبیعت پھڑک اٹھتی ہے، فارسی میں اس قسم کے خیال ادا کرنے کا یہ طریقہ بتایا ہے:

بہ برقعِ مہ کنعاں کہ بود حسن آباد — بہ حجلہ گاہ زلیخا کہ بود یوسف زار

ماہ کنعاں کے نقاب کی قسم جو کہ حسن آباد تھا، زلیخا کے خلوت کدہ کی قسم جو کہ یوسف زار تھا

ترجمہ ہی علامہ کی شعر فہمی کا کم ثبوت نہ تھا مگر اس پر قانع نہ ہو کر وہ اپنی شعر فہمی کا کمال اس طرح آشکارا کرتے ہیں:۔

"پہلے مصرعہ میں حضرت یوسف کے چہرہ کا حسن بیان کرنا تھا اس کو یوں ادا کیا کہ ان کا نقاب حسن آباد تھا، حسن آباد کے معنی وہ بستی جہاں حسن کی آبادی ہو، گویا حضرت یوسفؑ کا نقاب ایک بستی ہے جہاں حسن نے سکونت اختیار کی ہے، دوسرے مصرعہ میں یہ مضمون ادا کرنا تھا کہ حضرت یوسف کی وجہ سے زلیخا کا خلوت کدہ روشن ہو گیا تھا اس کو یوں ادا کیا کہ وہ یوسف زار ہو گیا تھا، گویا سینکڑوں ہزاروں یوسف بھر گئے تھے"[1]

فرماتے ہیں کہ بعض وقت شاعر کوئی غیر معمولی دعویٰ کرتا ہے تو اس کو ممکن الوقوع ثابت کرنے کے لیے تشبیہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

بسوز عشق شاہاں را چہ کار است — کہ سنگ لعل خالی از شرار است

علامہ کی کیف آفریں تشریح ملاحظہ ہو:۔

"شاعر کا دعویٰ ہے کہ بادشاہوں میں عشق و محبت کی جلن نہیں ہوتی، یہ بظاہر ایک غلط دعویٰ ہے کیونکہ بادشاہت اور عشق و محبت میں کوئی مخالفت نہیں ہے اس لیے

[1] شعر العجم ج ۴، ص ۴۷ و ۴۸۔

شاعر اس کو تشبیہ کے ذریعہ سے ثابت کرتا ہے کہ ہر قسم کے پتھر میں شرر ہوتے ہیں یعنی ان پر چوٹ پڑے تو چنگاریاں جھڑنے لگتی ہیں لیکن الماس اور لعل میں شرر نہیں ہوتے اور یہ ظاہر ہے کہ پتھر کے اقسام میں الماس گویا بادشاہ ہے"

یہ شعر بھی اسی دعویٰ کے ثبوت میں ہے:

زدردِ عشق شہ بیگانہ باشد   کہ جائے گنج در ویرانہ باشد[1]

علامہ رقمطراز ہیں کہ کسی نازک اور لطیف چیز یا حالت کا بیان کرنا ہوتا ہے تو الفاظ اور عبارت کام نہیں دیتی اور یہ نظر آتا ہے کہ الفاظ نے اگر ان کو چھوا تو ان کو صدمہ پہنچ جائے گا جس طرح حباب چھونے سے ٹوٹ جاتا ہے، ایسے موقعوں پر شاعر کو تشبیہ سے کام لینا پڑتا ہے، وہ اسی قسم کی لطیف اور نازک صورت کو ڈھونڈھ کر پیدا کرتا ہے اور پیش نظر کر دیتا ہے، مثلاً نظیری کہتا ہے۔

ہمہ شب بر لب و رخسار و گیسو مینہم بوسہ   گل و نسریں و سنبل را صبا در خرمن ست امشب

(ترجمہ) میں معشوق کے لب اور رخسار اور گیسو کو تمام رات چومتا رہا، آج گل و نسریں و سنبل کے خرمن میں ہوا گھس آئی ہے۔

شعر کی یہ تشریح علامہ جیسا نکتہ دانِ شعر و بلاغت ہی کر سکتا ہے، ملاحظہ ہو:۔

"لب و رخسار کی نزاکت اور ان کا نام اور لطیف بوسہ الفاظ کی برداشت کے قابل نہ تھا اس لیے شاعر نے اس کو اس حالت سے تشبیہ دی کہ گویا ہلکی ہلکی ہوا پھولوں کو چھو کر گزر جاتی ہے اور بار بار آکر چھوتی اور نکل جاتی ہے"[2]

تشبیہ ہی کی طرح تمثیل کو بھی شاعری کا ضروری جز بتاتے ہیں، شاعر کو دعویٰ کی دلیل میں اسے پیش کرنا پڑتا ہے، کبھی کسی چیز کی اچھائی یا برائی ثابت کرنا یا کسی چیز کی تصویر اور

[1] شعر العجم ج ۴، ص ۹۴ [2] ایضاً۔

ہیئت کھینچنا ہوتا ہے تو اس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا[1]

جدت ادا | جدت اور لطف ادا بھی شاعری کے عوارض و مستحسنات میں ہے، علامہ اسے اس کے لیے سب سے مقدم چیز بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شاعری، انشاپردازی، بلاغت تمام چیزوں کی جادوگری اسی جدت ادا پر موقوف ہے، ایک بات سیدھی طرح سے کہی جائے تو ایک معمولی بات ہے، اسی کو اگر جدید انداز اور نئے اسلوب سے ادا کر دیا جائے تو یہ شاعری ہے، ایسی ذوقی چیز کی تعریف کو ناممکن بتاتے ہیں جس کا صحیح ادراک ذوق صحیح سے ہو سکتا ہے، اس کا پیرایہ ہر جگہ الگ ہے اور اس قدر غیر محصور ہے کہ نہ ان سب کا شمار ہو سکتا ہے نہ ان میں کوئی خاص قدر مشترک پیدا کیا جا سکتا ہے، تاہم اس کے مفہوم کو ذہن نشین کرانے کے لیے علامہ نے جو مثالیں پیش کی ہیں، ان میں سے بعض ملاحظہ ہوں:۔

ساقی توئی و سادہ دلی بیں کہ شیخ شہر   باور نمی کند کہ ملک مے گسار شد

اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ معشوق جب ساقی بنا تو فرشتوں یعنی فرشتہ خو لوگوں نے بھی شراب پینی شروع کر دی۔ اس مطلب کو یوں ادا کیا ہے کہ معشوق کو مخاطب کر کے کہتا ہے "واعظ کی حماقت دیکھتے ہو تم ساقی ہو اور اس کو یقین نہیں آتا کہ فرشتہ نے شراب خواری اختیار کی۔

جدت کے علاوہ علامہ اس طریقہ ادا میں یہ بلاغت بتاتے ہیں کہ جب کوئی واقعہ واقعہ کی حیثیت سے بیان کیا جاتا ہے تو اس کے صحیح ہونے میں شبہ ہو سکتا ہے اس لیے شاعر اسکو واقعہ کی حیثیت سے نہیں بیان کرتا بلکہ ایک مسلم واقعہ قرار دے کر واعظ کی

[1] شعر العجم ج ۱، ص ۱۹۹۔

حماقت پر تعجب کرتا ہے گویا اس کو فرشتہ کی میخوارگی بیان کرنی مقصود نہیں، نہ اس کے نزدیک یہ کوئی تعجب انگیز واقعہ ہے جو بیان کرنے کے قابل ہو، البتہ واعظ کی حماقت حیرت انگیز ہے، کہ اس کو ایسے بدیہی واقعہ کا یقین نہیں آتا۔

علامہ کی نکتہ طرازی اسی پر بس نہیں کرتی لکھتے ہیں کہ شاعر نے خود واعظ کو مخاطب نہیں کیا ورنہ خیال ہوتا کہ شاید یوں ہی واعظ کو چھیڑنے کے لیے کہا ہے، معشوق سے خطاب کرنے میں یہ بلاغت بھی ہے کہ اس کی ملک فریبی کی تعریف اس انداز سے کی ہے کہ تعریف مقصود نہیں صرف واعظ کی حماقت پر حیرت کا اظہار ہے[1]

ایک اور شعر ملاحظہ ہو:۔

اے کہ ہمراہ موافق بہ جہاں می طلبی آں قدر باش کہ عنقا ز سفر باز آید

اگر تم سچا دوست دنیا میں ڈھونڈتے ہو تو اتنا ٹھہر جاؤ کہ عنقا سفر سے واپس آ جائے۔

یہ شعر کا سادہ ترجمہ تھا اب علامہ کی شعری موشگافی اور دقیقہ بینی دیکھو فرماتے ہیں یہ ایک پامال مضمون ہے کہ جب کسی چیز کو نایاب کہنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "عنقا ہے" شعر کا اصلی مطلب اس قدر ہے کہ ہمراہ موافق یعنی سچا دوست ملنا محال اور عنقا ہے، اس کو یوں کہتا ہے کہ اگر تم کو سچے دوست کی تلاش ہے تو اتنا ٹھہر جاؤ کہ عنقا جو سفر میں گیا ہے وہ واپس آ جائے یعنی نہ عنقا واپس آ سکتا ہے نہ سچا دوست مل سکتا ہے، اس میں بلاغت کا یہ پہلو ہے کہ پہلے امید دلائی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سچا دوست مل سکتا ہے البتہ ذرا انتظار کرنا پڑے گا پھر جس بات پر محول کیا ہے وہ بھی بظاہر ناممکن نہیں کیونکہ کسی کا سفر سے واپس آ جانا کوئی ناممکن بات نہیں۔ اس

---

[1] شعر العجم ج ۴، ص ۵۴۔

حالت کے بعد جب ناامیدی طاری ہوتی ہے تو ناامیدی کا اثر زیادہ سخت اور رنج دہ ہوتا ہے گویا یہ دکھانا ہے کہ سچے دوست کی تلاش میں امید بھی ہوگی تو اسی قسم کی ہوگی کہ خاتمہ ناکامی پر ہو[1]

شاعری کی ان لطافتوں، ادب و بلاغت کے نکتوں اور جدت ادا کی دلفریبیوں کے لیے دنیا ہمیشہ علامہ شبلی کے زرنگار قلم کی مرہون منت رہے گی۔ جدت ادا ہی کو انھوں نے بدیع الاسلوبی کا نام بھی دیا ہے اور اس کے معنی یہ بتائے ہیں کہ کسی خیال کو جدید اور عجیب و غریب پیرایہ میں ادا کرنا، بہت سے اہل فن کے نزدیک اسی کا نام شاعری ہے، فارسی اس وصف میں علانیہ ممتاز ہے، علامہ نے متعدد اشعار پیش کر کے اس کی حقیقت ذہن نشین کرائی ہے، ایک مثال ملاحظہ ہو:

اے برہمن چہ زنی طعنہ کہ در معبد ما سبحۂ نیست کہ آں غیرت زنار تو نیست

علامہ فرماتے ہیں کہ کہنا یہ تھا کہ زاہد و عابد اس قدر ریاکار ہیں کہ ان کی تسبیح زنار سے بھی بدتر ہے، اس مضمون کا پیرایہ اس قدر بدل دیا ہے کہ ظاہر میں اس کی طرف خیال بھی نہیں جاتا، شعر کا ظاہری ماحصل یہ ہے کہ برہمن طعنہ دے رہا ہے کہ اسلام ہندوؤں کے مذہب کی برابری نہیں کر سکتا، شاعر جو مسلمان ہے جواب دیتا ہے کہ یہ طعنہ بیجا ہے، ہماری عبادت گاہ میں تو جتنی تسبیحیں ہیں ایسی ہیں کہ زنار کو ان پر رشک آتا ہے۔

اس میں بلاغت یہ ہے کہ یہ بات اگر مسلمانوں سے کہی جاتی تو برا مانتے اس لیے برہمن سے کہا ہے اور وہ بھی اس پیرایہ میں کہ اسلام کی توہین پیش نظر نہیں۔

---

[1] شعر العجم ج ۴، ص ۵۵۔

اب ہم ان اشعار کو نقل کرتے ہیں، جن کا ترجمہ، ترجمانی یا تشریح علامہ کے خامۂ زرنگار کی رہین منت ہے، اس سے ان کی شعر فہمی کی خوبی اچھی طرح آشکارا ہو جائے گی، ان کے حسن انتخاب کا پتہ بھی چلے گا اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ علامہ کے ترجمہ و تشریح سے شعر کس بلندی پر پہنچ گیا ہے، اس کی متعدد قسمیں ہیں، بعض کے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا ہے لیکن وہ بھی بہت معنی خیز ہے، بعض کے الفاظ کی وضاحت کی ہے، کہیں کسی خاص لفظ کے بارے میں بتایا ہے کہ اس کی وجہ سے شعر جادو ہو گیا ہے، کہیں بلاغت کے نکتے واضح کیے ہیں، کہیں جدت ادا کا کمال دکھایا ہے، کہیں تشبیہ و استعارہ کی خوبی کا ذکر ہے، کبھی لطافت کو نمایاں کیا ہے، کبھی کسی اور کرشمہ کا تذکرہ ہے، غرض ایسے ایسے پہلو اور گوشے زیر بحث آئے ہیں جن تک عام ذہنوں کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ پہلے چند اشعار کا ترجمہ دیکھیے۔

غزلیہ اور عشقیہ شاعری کے بیان میں رودکی کے یہ اشعار نقل کیے ہیں:۔

دشوار نمائی رخ و دشوار دہی بوس ‏ ‏ ‏ آساں بُربائی دل و آساں ببری جاں

تو مشکل سے چہرہ دکھاتا ہے اور مشکل سے بوسہ دیتا ہے لیکن دل اور جان نہایت آسانی سے اڑا لیجاتا ہے۔

ببردہ نرگس تو آبِ جادوئے بابُل ‏ ‏ ‏ کشادہ غنچۂ تو بابِ معجزِ عیسیٰ[1]

تیری آنکھوں نے بابل کے جادو کی آبرو کھو دی، تیرے دہن نے معجزہ عیسوی کا دروازہ کھول دیا[1]

دقیقی کے دو شعر بھی ملاحظہ ہوں:۔

دقیقی چار خصلت برگزیدہ است ‏ ‏ ‏ بہ گیتی از ہمہ خوبی و زشتی

دقیقی نے دنیا کی تمام بری بھلی چیزوں میں سے چار چیزیں چن لی ہیں۔

لب یاقوت رنگ و نالۂ چنگ ‏ ‏ ‏ مے خوں رنگ و کیش زرد ہشتی

[1] شعر العجم ج ۵، ص ۳۵۔

یاقوت جیسے ہونٹ، چنگ کی آواز، شراب گلگوں اور زردشت کا مذہب[1]

علم شریعت کے اسرار ارباب باطن کے ساتھ مخصوص ہیں خواجہ حافظ فرماتے ہیں:۔

شرحِ مجموعۂ گل مرغ سحر می داند و بس ‏ ‏ ‏ کہ نہ ہر کو ورقے خواند معانی دانست

پھول کے نکات صرف بلبل جان سکتی ہے، یہ نہیں ہے کہ جس نے ایک آدھ ورق پڑھ لیا وہ معانی سے واقف ہو گیا[2]

سالہا دل طلب جام جم از ما می کرد ‏ ‏ ‏ آنچہ خود داشت از بیگانہ تمنا می کرد

دل مجھ سے برسوں جام جم مانگا کیا، جو چیز اس کے پاس تھی، بیگانہ سے مانگتا تھا۔

دیدمش خرم و خنداں قدح بادہ بدست ‏ ‏ ‏ واندراں آئینہ صد گونہ تماشا می کرد

میں نے عارف کو دیکھا ہنس رہا تھا، اس کے ہاتھ میں جام شراب تھا اور وہ اس میں طرح طرح کے جلوے دیکھ رہا تھا

گفتم ایں جام جہاں بیں بتو کے داد حکیم ‏ ‏ ‏ گفت آں روز کہ ایں گنبد مینا می کرد

میں نے اس سے پوچھا کہ یہ جام جہاں حکیم نے تم کو کس دن عنایت کیا تھا، بولا جس دن آسمان بنا رہا تھا[3]

باخرابات نشیناں ز کرامات ملاف ‏ ‏ ‏ ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد

جو لوگ شراب خانہ میں رہتے ہیں ان کے سامنے کرامات کی شیخی نہیں بگھارنی چاہیے ہر بات کا الگ موقع ہوتا ہے اور وہ وہیں مناسب ہوتی ہے[4]

فردوسی کے شاہنامہ کے بعض اشعار کا ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

چنیں است رسم سرائے فریب ‏ ‏ ‏ گہے بر فراز و گہے بر نشیب

فریب دینے والی دنیا کا یہی طریقہ ہے ‏ ‏ ‏ کبھی بلند ہے کبھی پست

چنیں بود تا بود گردان سپہر ‏ ‏ ‏ گہے جنگ زہر است و گہ نوش مہر

جب سے آسمان ہے یوں ہی ہوتا آیا ہے ‏ ‏ ‏ لڑائی کبھی زہر ہے اور کبھی شہد[5]

[1] شعر العجم ج ۵، ص ۳۶ [2] ایضاً ص ۴۲ [3] ایضاً ص ۴۱ [4] ایضاً ص ۴۵ [5] ایضاً ج ۱، ص ۲۵۶

یہ اشعار رستم کے خاقان کو شکست دینے کے وقت اسے کامیابی پر اترانے سے روکنے کے لیے کہے گئے تھے، آگے جو اشعار آرہے ہیں وہ کیخسرو کے افراسیاب کے مقابلہ میں فوجیں روانہ کرنے کے وقت کے ہیں جن میں دشمن کے ملک میں برسر مقابلہ نہ آنے والوں کو کسی قسم کے گزند نہ پہنچانے کی تاکید کی گئی ہے۔

نیازرد باید کسے را براہ　　چنین است آئین ورسم کلاہ

راستے میں کسی کو ستانا نہیں چاہیے، حکومت کا یہی دستور ہے۔

نباید کہ بروے وزد باد سرد　　مگوشید جز باکسے ہم نبرد

ان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے　　لڑنے والوں کے سوا کسی سے نہ لڑنا[۱]

حضرت سعدؓ بن وقاص نے یزدگرد کو دعوت اسلام کا خط بھیجا تو اس کی رگ حمیت پھڑک اٹھی اور آپے سے باہر ہوکر کہا:۔

زشیر شتر خوردن و سوسمار　　عرب را بجائے رسیدست کار

اونٹ کا گوشت اور گوہ کھاتے کھاتے　　اب عرب کو یہ دن لگے کہ

کہ تخت کیان را کنند آرزو　　تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو[۲]

کیانی تخت کی ہوس ہے۔　　اور آسمان تجھ پر تف ہے اور پھر تف ہے۔

ان چند مثالوں سے ترجمہ کی خوبی، دلآویزی اور لطافت کا اندازہ کیجیے، یہ سلاست، شگفتگی، روانی، صفائی، بے تکلفی اور برجستگی کا نمونہ بھی ہیں جن سے فارسی شاعری پر علامہ کی دسترس اور شعر فہمی میں کمال کا پتہ چلتا ہے۔

زبان کی خصوصیات

زبان اور بلاغت کا یہ خاص اور اہم نکتہ ہے کہ اکثر چیزوں کے مختلف

[۱] شعرالعجم ج ۴، ص ۱۶۱ [۲] ایضاً ص ۲۲ و ۲۲۱۔

انواع ہوتے ہیں اور ہر نوع میں الگ الگ خصوصیت ہوتی ہے مثلاً آواز ایک عام چیز ہے، اس کی مختلف نوعیتیں ہیں پست، بلند، شیریں، کرخت، سریلی وغیرہ، ذوقی چیزوں میں یہ فرق اور نازک ہوتا ہے مثلاً معشوق کی ادا ایک عام چیز ہے لیکن الگ الگ خصوصیتوں کی بنا پر ان کے جدا جدا نام ہیں یعنی ناز، عشوہ، غمزہ، شوخی، بیباکی، معشوق کی ان خاص خاص اداؤں کے لیے بہت سے الفاظ پیدا ہوئے مثلاً عشوہ، ناز، ادا، غمزہ، کم نگاہی۔ لیکن ایران کے شاعر کو اس پر بھی تسلی نہیں، اس کی نکتہ بیں عاشقانہ نگاہوں کو اور بھی بہت سی ادائیں نظر آتی جن کے لیے الفاظ نہیں ملتا اس لیے فغانی کہتا ہے۔

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست　　بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

مناسب لفظ کا استعمال

جو زبانیں وسیع اور لطیف ہیں ان میں ان دقیق فرقوں کی بنا پر ہر چیز کے الگ الگ الفاظ پیدا ہو جاتے ہیں، اب جب کسی چیز کی محاکات مقصود ہو تو ٹھیک وہی الفاظ استعمال کرنے چاہئیں جو ان خصوصیات پر دلالت کرتے ہیں[۱]۔

علامہ فرماتے ہیں میرا طالب علمی کا زمانہ تھا کہ ایک دن ایک صحبت میں کسی نے کلیم کا یہ شعر پڑھا:۔

سربہ بستاں چو دہد جلوۂ یغمائی را　　اول از سرو کند جامۂ رعنائی را

والد مرحوم بھی تشریف رکھتے تھے میں نے کہا کہ کپڑا اتارنے کو جامہ کشیدن بھی کہتے ہیں، اس لیے شاعر اگر کند کے بجائے کشد کہتا تو زیادہ فصیح ہوتا، جامہ کندن گو صحیح ہے لیکن فصیح نہیں، سب چپ ہوگئے، والد مرحوم نے ذرا سوچ کر کہا نہیں یہی لفظ کند شعر کی جان ہے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق باغ میں جب غارتگری کی شان دکھاتا

[۱] شعرالعجم ج ۴، ص ۱۹۱ و جلد ۳، ص ۲۶ مطبع معارف اعظم گڈھ ۱۹۵۶ء۔

ہے تو پہلے سرو کی رعنائی کا لباس اتار لیتا ہے، لباس اتارنے کے دو معنیٰ ہیں، ایک یہ کہ مثلاً کوئی شخص گرمی وغیرہ کی وجہ سے کپڑا اتار کر رکھدے یا اس کا نوکر اتارے، دوسرے یہ کہ سزا کے طور پر کسی کے کپڑے اتروا لیے جائیں یا نچوا لیے جائیں، فارسی میں ان کے لیے دو مختلف لفظ ہیں، جامہ کشیدن اور جامہ کندن، چونکہ یہاں مقصود یہ ہے کہ معشوق ذلت کے طور پر سرو کا کپڑا اتار لیتا ہے اس لیے یہاں جامہ کندن کا لفظ جامہ کشیدن سے زیادہ موزوں ہے، تمام حاضرین نے اس توجیہ کی بے ساختہ تحسین کی[1]

علی قلی کا شعر ہے :-

بگذشت زپیش من وغیرش بہ حکایت   بپیچید کہ ہرگز نتواند بہ قفا دید

شعر کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ معشوق سامنے سے جا رہا تھا، رقیب بھی ساتھ تھا، اس نے اس طرح اس کو باتوں میں لگا لیا کہ معشوق مڑکر پیچھے نہ دیکھ سکا (ورنہ شاید میری طرف بھی اس کی نگاہ پڑ جاتی) بپیچید کے لفظ سے واقعہ کی صورت جس طرح ذہن میں آجاتی ہے اور کسی لفظ سے نہیں آسکتی[2]

سکندر نے دارا کو برابری کے دعویٰ سے خط لکھا، دارا کو سخت رنج اور حیرت ہوئی، نظامی کہتے ہیں :-

بخندید و گفت اندراں زہر خند   کہ افسوس بر کار چرخ بلند

فلک بیں چہ ظلم آشکارا کند   کہ اسکندر آہنگ دارا کند

علامہ رقمطراز ہیں :-

" جب کوئی کمینہ شخص کسی معزز آدمی سے برابری کا دعویٰ کرتا ہے تو بعض وقت

[1] شعر العجم ج ۴ مطبع معارف اعظم گڈھ ۱۹۷۱ء ص ۱۴ [2] ایضاً ص ۱۵ ۔

اس کو غصہ میں ہنسی آجاتی ہے، یہ ہنسی رنج، غصہ اور عبرت کا گویا مجموعہ ہوتی ہے، فارسی میں اس ہنسی کو زہر خند کہتے ہیں، دارا پر سکندر کے خط سے جو حالت طاری ہوئی زہر خند کے لفظ کے سوا اور کسی طریقہ سے اس کی تصویر نہیں کھنچ سکتی تھی"۔

ہر زبان میں مترادف الفاظ ہوتے ہیں جو ایک ہی معنیٰ پر دلالت کرتے ہیں لیکن جب غور سے دیکھا جائے تو ان الفاظ میں باہم فرق ہوتا ہے یعنی ہر لفظ کے مفہوم او معنی میں کوئی ایسی خصوصیت ہوتی ہے جو دوسرے میں نہیں پائی جاتی۔

شاعر کی نکتہ دانی یہ ہے کہ جس مضمون کے ادا کرنے کے لیے خاص جو لفظ موزوں اور موثر ہے وہی استعمال کرے ورنہ شعر میں وہ اثر نہ پیدا ہوگا مثلاً فیضی کہتا ہے :-

بانگِ قلم دریں شب تار   بس معنی خفتہ کرد بیدار

بانگ خاص اس آواز کو کہتے ہیں جس میں بلندی اور فخامت ہو جو جگانے کے لیے موزوں ہو، بانگ اور آواز اور صریر ہم معنی ہیں اس لیے بانگ قلم کے بجائے آواز قلم اور صریر قلم بھی کہہ سکتے ہیں لیکن اس موقع کے لیے صرف بانگ موزوں ہے۔

قلم کو فارسی میں خامہ اور کلک بھی کہتے ہیں لیکن قلم کے لفظ میں جو فخامت اور رعب ہے اور لفظوں میں نہیں ہے، تکلم کے میم نے مل کر اس فخامت کو اور بڑھا دیا ہے، بانگ اور قلم کی ترکیب نے لفظ کو زیادہ پُر وزن کر دیا ہے۔

تار کو تیرہ اور تاریک بھی کہتے ہیں لیکن اس مصرع میں حسن صوت کے لحاظ سے تار ہی موزوں ہے۔

لبس کے ہم معنی بہت سے الفاظ ہیں مثلاً بسیار، لختے، خیلے وغیرہ لیکن بس کے لفظ میں کثرت کی جو توسیع ہے اور لفظوں میں نہیں ہے۔

ان تمام باتوں پر غور کرو تب یہ نکتہ حل ہوگا کہ اس شعر میں جو اثر ہے اس کا سبب یہ ہے کہ مضمون کی ایک ایک خصوصیت ظاہر کرنے کے لیے جو الفاظ درکار تھے اور جنکے بغیر وہ خصوصیت ادا نہیں ہو سکتی تھی سب شاعر نے جمع کر دیے اور ان باتوں کے ساتھ اصل مضمون میں اصلیت اور طرز ادا میں جدت اور ندرت پیدا کی[1]

(باقی)

[1] شعر العجم ج ۴ ....ص ۶۴ و ۶۵ ۔

روضاتِ شاہی اور اس کا مصنف

از جناب سید خضر نوشاہی، کراچی

پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی کا جو ذخیرۂ کتب و مخطوطات، ہمدرد یونیورسٹی لائبریری "بیت الحکمۃ" کراچی میں منتقل ہوا ہے، اس میں ایک قلمی نسخہ "روضات شاہی" کے نام سے موجود ہے۔ اس مخطوطے کے مطالعے سے کئی اہم پہلو سامنے آئے ہیں جو اہل تحقیق کی دلچسپی کا باعث ہو سکتے ہیں۔

ماہنامہ "معارف" اعظم گڈھ (ہند) بابت ماہ مئی ۱۹۹۳ء میں برادرِ عزیز جناب عارف نوشاہی صاحب کا ایک مضمون بعنوان "گیارہویں صدی ہجری کا ایک گمنام مصنف محمد بن جلال شاہی رضوی" شایع ہوا ہے، جس میں انھوں نے مصنف کی چار کتابوں کا تعارف کرایا ہے اور مصنف کے بارے میں لکھا ہے کہ "خود ان کے بارے میں کچھ زیادہ معلوم نہیں"۔[1]

چنانچہ "روضات شاہی" کے حوالے سے چند اہم گوشے واضح کیے جاتے ہیں۔

الف ۔ مصنف کا پورا نام "محمد جعفر بن سید جلال الدین محمد مقصود عالم شاہی رضوی"[2] ہے۔

ب ۔ روضات شاہی بھی اسی مصنف کی اہم تصنیف ہے۔

ج ۔ احمد آباد گجرات (ہند) کے مشہور "عالم شاہی" خاندان سے نہ صرف انہیں عقیدت تھی بلکہ وہ اس خاندان سے نسبی تعلق بھی رکھتے تھے۔[3]

لہٰذا روضات شاہی کے حوالے سے ہم پہلے مصنف کا تفصیلی تعارف کراتے ہیں

اور پھر ان کی اس تصنیف کے بارے میں گفتگو کریں گے، تاکہ یہ گمنام مصنف واضح طور پر پہچانا جا سکے۔

روضات شاہی کا مصنف روضات شاہی کے مقدمہ میں مصنف نے اپنا نام اس طرح لکھا ہے "محمد جعفر بن سید جلال الدین محمد مقصود عالم شاہی رضوی کان اللہ تعالیٰ لہٗ"۔ صاحب تذکرہ علمائے ہند نے پورا نام یوں لکھا ہے "سید محمد جعفر بدر عالم احمد آبادی گجراتی"۔[5]

یہ ۱۲ شعبان ۱۰۲۳ھ/۱۶۱۴ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے والد بزرگوار کے مرید و خلیفہ تھے۔ علوم ظاہر و باطنی میں کمال رکھتے تھے، خصوصاً حدیث و تفسیر میں اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ تذکرہ علمائے ہند میں لکھا ہے کہ ان سے بہت سی تصنیفات یادگار ہیں، جن میں ایک "روضات شاہی" ہے جو چوبیس[24] جلدوں پر مشتمل ہے۔ ۹ ذی الحجہ ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء کو رحلت فرمائی اور احمد آباد میں اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔[6]

شجرۂ نسب مصنف روضات شاہی کے آغاز سے قبل دو صفحات پر مصنف نے اپنا شجرۂ نسب بڑے عجیب انداز میں نقل کیا ہے، ہر نام سے قبل اسمائے الٰہی میں سے ایک نام لکھا ہے، دوسری سطر میں سورۂ قرآن کا نام اور اس کے ساتھ بطور حوالہ کسی تفسیر کا نام لکھا ہے اور تیسری سطر میں بزرگ کا نام تحریر کیا ہے، طوالت کے خوف سے اسے قلم انداز کیا جاتا ہے۔ اصل نسخہ میں اسے دیکھا جا سکتا ہے۔

مصنف کے باپ اور دادا کے مختصر حالات **والد**:۔ ان کے والد سید جلال الدین مقصود عالم شب شنبہ ۱۵ جمادی الثانی ۱۰۰۳ھ/۱۵۹۴ء کو پیدا ہوئے "وارث رسول" سے ان کی تاریخ ولادت نکالی گئی ہے۔ اپنے والد کے مرید و خلیفہ تھے۔ شاہجہاں بادشاہ کے عہد شاہی میں منصب شش ہزاری پر فائز تھے۔ ۸ ربیع الثانی ۱۰۵۹ھ/

۱۶۴۹ء کو لاہور میں انتقال فرمایا۔ جسد خاکی احمد آباد گجرات (ہند) لے جایا گیا اور انہیں باپ کے مقبرہ میں دفن کیا گیا۔[۷] مصنف نے اپنے والد کو مجدد الف ثانی قرار دیا ہے۔[۸]

دادا:۔ مصنف کے دادا حضرت سید محمد مقبول عالم بن سید جلال الدین ابو محمد ماہ عالم گجرات دکن کے شیخ اور صوفی تھے۔ ۱۴ رجب المرجب ۹۸۹ھ/۱۵۸۱ء کو پیدا ہوئے، صوری و معنوی کمالات کے جامع اور ظاہری و باطنی علوم کے عالم تھے۔ اپنے والد سے خلافت پائی۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے، جن میں "جمعات شاہی" وہ معروف کتاب ہے جس سے صاحب روضات شاہی نے خاصا استفادہ کیا ہے۔ انکا انتقال ۱۲ رجب ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء کو ہوا۔ مزار احمد آباد میں ہے۔[۹]

مصنف کی اولاد

بیٹا:۔ تذکرہ علمائے ہند میں ایک بیٹے کا ذکر ملتا ہے۔ جنکا نام سید محمد ابوالمجد محبوب عالم تھا۔ ان کی ولادت ۲ ربیع الاول ۱۰۴۷ھ/۱۶۳۷ء میں ہوئی۔ باپ کی طرح کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ دو تفاسیر: ایک فارسی میں بروایت اہل بیت اور دوسری عربی میں جلالین کے انداز میں ہے۔ حدیث میں "زینۃ النکاۃ فی شرح مشکوٰۃ" ان کی یادگار ہے۔ ۱۹ جمادی الآخر ۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء کو فوت ہوئے۔ مزار احمد آباد میں ہے۔[۱۰]

پوتا:۔ صاحب روضات شاہی کے پوتے کا ذکر بھی تذکرہ علمائے ہند میں موجود ہے، ان کا نام سید جلال الدین حمید عالم بن سید محمد ابوالمجد محبوب عالم تھا۔ یہ ۲ جمادی الاول ۱۰۶۲ھ/۱۶۵۲ء کو پیدا ہوئے۔ علم ظاہر و باطن اپنے والد سے حاصل کر کے درجۂ کمال کو پہنچے۔ تعبیر خواب میں "رسالہ مرآۃ الرؤیا" اور اعمال واشغال میں "رسالہ مفتاح الحاجات"

ان سے یادگار ہیں۔ ۲۰ ذی الحجہ ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۲-۳ء کو انتقال فرمایا، احمد آباد گجرات میں ان کا مدفن ہے۔[۱۱]

سلسلۂ روایت حدیث

سید محمد جعفر بدر عالم حدیث کے زبردست عالم تھے۔ انھوں نے روضات شاہی میں سولہ[۱۲] محدثین کے احوال قلم بند کیے ہیں۔ ہر ایک محدث کے حالات کے بعد اس محدث سے اپنے سلسلۂ روایت کی سند بیان کی ہے۔ تمام محدثین سے مصنف نے مختلف طریقوں سے اپنی سند روایت کو ملایا ہے۔ قاضی عیاض تک اپنی سند روایت کے دو طریقے بتائے ہیں لیکن یہ سب چیزیں عام قارئین کی دلچسپی کی نہیں ہیں۔ اس لیے ان کو قلم انداز کیا جاتا ہے۔

تصانیف

اب تک کی معلومات کے مطابق سید محمد جعفر بن سید جلال الدین شاہی رضوی کی مندرجہ ذیل پانچ تصانیف ہمارے علم میں آئی ہیں۔

۱۔ چہل حکایت، ۲۔ دین المریدین، ۳۔ سوال و جواب، ۴۔ احصار الاسماء، ۵۔ روضات شاہی۔

اول الذکر چار کتابوں کا تعارف تو برادرم سید عارف نوشاہی نے ماہنامہ معارف اعظم گڈھ (ہند)، بابت ماہ مئی ۱۹۹۳ء میں کرادیا ہے۔ پانچویں تصنیف کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

روضات شاہی

ہماری معلومات کے مطابق روضات شاہی کا یہ واحد نسخہ ہے جو ہمدرد لائبریری "بیت الحکمۃ"، کراچی میں محفوظ ہے، یہ نسخہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ بخط مولف ہے، نہایت عمدہ خط نسخ میں کتابت شدہ ہے۔ تاریخ کتابت و تالیف ۲۸ ذی الحجہ ۱۰۷۷ھ ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ ۲۲۵ اوراق

ہیں۔ ہر صفحہ پر ۱۹ سطریں ہیں۔ سائز اوراق : ۲۶ × ۱۶ س م سائز متن ۱۸×۱۰ س م۔ نسخہ کے آغاز میں فہرست تھی جس کا صرف ایک صفحہ اب کتاب کے ساتھ ہے تاہم فہرست مضامین دیباچہ میں بھی ہے، اس لیے نسخہ مکمل ہے۔ محتویات بیان کرنے سے قبل یہاں اس نسخہ کا آغاز و اختتام نقل کیا جاتا ہے۔

آغاز :- " بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ خالق العباد، وساطح المھاد، ومسیل الوھاد، ومخصب النجاد، لیس لاولیتہ ابتداء ولا لازلیتہ انقضاء، ھو الاول لم یزل، والباقی بلا اجل، احمدہ علی عظیم احسانہ ونیّر برھانہ ... [۸ صفحات کے عربی خطبہ کے بعد] . . .

امابعد میگوید خانزاد اھل بیت نبوی خویدم حدیث مصطفوی محمد جعفر بن سید جلال الدین محمد مقصود عالم شاھی رضوی کان اللہ تعالیٰ لھما ولاولادھما کما کان لآبائھما واجدادھما این مجموعہ ایست مسمی بہ "روضات شاھی" دربیان احوال خاتم المحبوبین وارث اتم حضرت مقدسہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم، مولانا سید محمد بن عبداللہ الملقب بہ شاہ عالم من عند اللہ ادام اللہ تعالیٰ جلالہ، مشتمل بر مقدمہ وپنج روضہ وخاتمہ"

اختتام :" فرغ من کتاب مولفہ اقل العبید الالھیہ کلیب العتبۃ العلیہ الشاھیہ خویدم الحدیث المصطفوی مملوک اھل البیت النبوی محمد جعفر ابن السید جلال الدین محمد مقصود عالم الشاھی الرضوی کان اللہ تعالیٰ لھما ولمن احبھما واحبھما وھذا الکتاب من الکتب

الاربعۃ والعشرین من الروضات الشاھیہ المسمی بکتاب الدین المبین فی شرح اصول الحدیث وبیان احوال المشاھیر من المحدثین ویتلو فی السفر الثانی الکتاب الثانی وھو المسمی بکتاب المعجزات والآیات البینات و... فراغ من کتابۃ ھذا السفر ضحوۃ یوم الاحد السادس والعشرین من ذی الحجۃ من سنہ ۱۰۷۷ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام والبرکۃ والترحم والتحنن علی سید العالمین محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ واحبائہ واولیاء امتہ وسایر حزبہ و عترتہ سیما شاہ عالم ومقصود عالم کان اللہ تعالیٰ لھما ولاولادھما کما کان لآبائھما واجدادھما۔ آمین۔

محتویات | مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب ایک مقدمہ، پانچ "روضہ" اور خاتمہ پر مشتمل ہے اور مقدمہ و پانچ روضہ و خاتمہ کی تفصیلات بتانے کے بعد لکھا ہے کہ چونکہ یہ کتاب اپنے فوائد کثیرہ کے باعث کثیر الحجم ہوگئی تھی لہٰذا اسے چوبیس (۲۴) جلدوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر جلد کا علٰحدہ خطبہ اور جداگانہ مضمون ہونے کے باعث ہر جلد خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت اختیار کر گئی ہے اور پھر ان چوبیس کتابوں کے نام تحریر کیے ہیں۔ پیش نظر کتاب روضات شاہی کی صرف پہلی کتاب (جلد) ہے۔

مصنف نے اپنے دیباچہ میں کتاب کے مشمولات اور مندرجات کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

مقدمہ :- درآن چار فصل است۔

۱- در بیان معجزات حضرت مقدسہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

۲- در بیان آیات واحادیث کہ در فضیلت اصحاب ہدایت مآب علیہم رضوان اللہ الوہاب وارد است۔

۳- در بیان آیات واحادیث کہ در فضیلت اہل بیت وارد است۔

۴- در بیان احوال آبائے کرام حضرت شاہیہ علیہم التحیۃ۔

پنج روضہ:-

۱- در احوال پیش از ولادت باسعادت حضرت شاہیہ ادام اللہ تعالیٰ جلالہ۔

۲- در بیان احوال بعد از ولادت تا بلوغ۔

۳- در احوال بعد از بلوغ تا وصال حضرت قطبیہ ادام اللہ تعالیٰ جلالہ۔

۴- بعد از وصال حضرت قطبیہ تا وصال حضرت شاہیہ ادام اللہ تعالیٰ جلالہما۔

۵- در احوال بعد از وصال آن محبوب ذی الجلال تا ہنگام تالیف این مجموعۂ بے مثال۔

خاتمہ:- وآن مشتمل است بر سہ "فصل"

۱- در بیان تفصیل اولاد امجاد حضرت شاہیہ ادام اللہ تعالیٰ جلالہ۔

۲- در احوال خلفاء حضرت شاہیہ ادام اللہ تعالیٰ جلالہ۔

۳- در احوال خدام حضرت شاہیہ ادام اللہ تعالیٰ جلالہ۔

۲۴ جلدوں (کتابوں) کے نام | ۱- کتاب الدین المبین فی شرح اصول الحدیث و بیان احوال المشاہیر من المحدثین و درین کتاب ذکر حضرت امام اہل حدیث و فقہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ، ذکر طبقات علمائے حنفیہ نیز آوردہ شدہ۔

۲- کتاب المعجزات والآیات البینات۔

۳- کتاب التفسیر العدیم النظیر۔

۴- کتاب المستطاب فی بیان مناقب الاصحاب علیہم رضوان اللہ الوہاب۔

۵- کتاب الفطرۃ فی مناقب ... علیہم المغفرۃ

۶- کتاب لطف الرب فی المناقب واحوال سید العرب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الوجیہ۔

۷- کتاب التوامین (؟) فی فضل الحسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

۸- کتاب الاغاثۃ لطالبی احوال الائمۃ الثلثۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

۹- کتاب احوال سادات الائمۃ الستۃ الباقیۃ من الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۱۰- کتاب موابلۃ العشرۃ فی احوال العشرۃ السادات الاوصیاء الذین ورثوا سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وعلیٰ سائر الانبیاء وسلم۔

۱۱- کتاب الخطاب المستطاب فی احوال الاربعۃ من الاقطاب علیہم رضوان اللہ الوہاب

۱۲- کتاب الصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

۱۳- کتاب السعادۃ فی بیان ما قبل الولادۃ۔

۱۴- کتاب السبوغ فی احوال الولادۃ وما بعدہا الی السبوغ۔

۱۵- نعم الکتاب فی احوال الشباب۔

۱۶- کتاب استنارۃ الخوخۃ بطلوع شمس الشیوخۃ۔

۱۷- کتاب عبور اللبیب علی جسر ایصال الحبیب الی الحبیب۔

۱۸- کتاب الارشاد الی بیان احوال الاولاد الامجاد۔

۱۹ - کتاب الاھتداء الی احوال الخلفاء العظماء۔

۲۰ - کتاب فہرس الخادیم۔

۲۱ - کتاب مجمع الفوائد و مستجمع العوائد۔

۲۲ - کتاب تحقیقات نجباء و تدقیقات نقباء۔

۲۳ - کتاب مجمع الکمالات القدسیہ و مجموعۃ الفیوضات الندسیہ۔

۲۴ - کتاب جلیس نفیس ... و انیس سلیس۔[۱۴]

روضات شاہی کے ماٰخذ مصنف نے تو دیباچہ میں اپنے ماٰخذ کا ذکر نہیں کیا۔ تاہم متن میں حسب موقع حوالے دیے گئے ہیں۔ صحاح ستہ کے علاوہ جن کتابوں کے نام بطور ماٰخذ ملتے ہیں وہ یہ ہیں۔ مرقاۃ الصعود الی سنن ابی داؤد، موطا امام مالک، کتاب الملاحم، الیواقیت والجواھر فی بیان اعتقاد الاکابر، زوال الترح و شرح منظومہ ابن فرح، فتوحات مکیہ، جمعات شاھی، تفسیر کشاف، تفسیر کبیر رازی، کتاب النوادر، طبقات الفقہا اور الجواہر المضیئیہ فی طبقات الحنفیہ وغیرہ۔

حواشی

[۱] ماہنامہ معارف اعظم گڈھ بابت ماہ مئی ۱۹۹۳ء، ص ۳۳۹ [۲] روضات شاہی (قلمی)، ورق ۶ الف (مخزونہ بیت الحکمۃ، ہمدرد لائبریری، کراچی) [۳] دیکھیے اسی مضمون میں مصنف کا شجرۂ نسب [۴] روضات شاہی (قلمی) ورق ۶ الف [۵] رحمان علی، مولوی / تذکرہ علمائے ہند، مطبوعہ مطبع نولکشور، لکھنؤ ۱۹۱۴، بار دوم، ص ۲۱۴ [۶] ایضاً [۷] ایضاً ص ۲۱۶ [۸] روضات شاہی (قلمی)، ورق ۹ الف سطر ۱۵ [۹] تذکرہ علمائے ہند مذکور، ص ۲۱۶ [۱۰] ایضاً ص ۲۱۵ [۱۱] ایضاً ص ۲۴۴ [۱۲] روضات شاہی (قلمی)، ورق ۲۲۴ ب (خود مصنف کے الفاظ، نقل بلفظہ) [۱۳] ایضاً ورق ۲۲۵ الف [۱۴] ایضاً ورق ۶ ب تا ۷ الف بلفظہ۔

استنبول کے کتبخانوں میں البیرونی کے مخطوطات

از پروفیسر ڈاکٹر محمد صابر خاں، کلکتہ

ستمبر ۱۹۸۹ء میں میں نے اتاترک کلچر مرکزی کی دعوت پر ایک بین الاقوامی سیمنار میں مقالہ پیش کرنے کے لیے انقرہ (ترکی) کا سفر کیا تھا۔ استنبول کے کتبخانوں کے بارے میں کافی سن چکا تھا اس لیے میں نے انقرہ سے استنبول کا سفر کیا اور وہاں دس روز قیام کیا۔ استنبول میں بے شمار کتب خانے ہیں۔ اس کے ڈائریکٹر جناب معمر الکر نے مجھے بتایا کہ صرف سلیمانیہ کتب خانے میں ایک لاکھ عربی، فارسی اور ترکی مخطوطات ہیں۔ چونکہ وقت کم تھا اس لیے مجھے اس کے بہت اہم نوادرات ہی کو دیکھنے کا موقع ملا۔ مجھے البیرونی[۱] جیسے نادر روزگار مصنف پر تحقیقی کام کرنے کا شرف حاصل رہا۔ البیرونی (وفات ۴۴۲/ ۱۰۵۰) ایک عظیم مسلمان سائنسداں تھا۔ جو ہمارے لیے باعث فخر ہے۔ وہ ایک بڑا عالم اور جامع کمالات شخص تھا، وہ نہ صرف ایک مورخ تھا بلکہ ایک سائنسداں، ریاضی داں اور علم الہیئۃ کا ماہر تھا۔ اس سائنس اور ٹکنالوجی کے زمانے میں اسکی تصنیفات بہت اہم ہیں اور ان کے بہت سے اہم اور نادر مخطوطات استنبول کے کتب خانوں میں موجود ہیں[۲]۔ اس لیے میں نے سب سے پہلے ان کا جائزہ لیا۔ مگر میرا قیام استنبول میں بہت کم رہا اس لیے میں البیرونی کے تمام مخطوطات کا جائزہ نہیں لے سکا، صرف پانچ کتابوں کے بارے میں ہی نوٹ لے سکا، اپنی یہی معلومات

اس مضمون میں پیش کر رہا ہوں کہ یہ بھی فائدہ سے خالی نہ ہوں گی۔

(۱) کتاب الآثار الباقیة عن القرون الخالیة :- یہ اصل میں کتبخانہ آیا صوفیا کا مخطوطہ ہے جو اس وقت سلیمانیہ لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس مخطوطے کا نمبر ۲۹۳۴ ہے۔ یہ مجلد نسخہ بہت خوبصورت لکھا ہوا ہے اور ایک تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سلطان محمود اول کا وقف کیا ہوا ہے۔ اس میں ایک سو چھپن اوراق ہیں اور ہر صفحے پر ۲۵ سطریں ہیں، سب ملا کر ۴۹ شکلیں موجود ہیں، یہ مخطوطہ سمرقند میں لکھا گیا تھا اور اس پر تاریخ کتابت ۸۳۹ ہجری مطابق ۱۴۳۵ء درج ہے۔ ہر صفحہ میں طلائی جدول ہیں اور بعض عنوانات اور الفاظ سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں۔

ابتداء :- "بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ المتعال عین الاضداد والاشباہ والصلوٰة علی محمد المصطفیٰ خیر الخلق وعلی آلہ ائمة الھدی والحق"۔

خاتمہ :- یعرف فی ای شھر یکون وعدد الایام الماضیة فی الشھر الموتح بالحمرة او السواد انشاء اللہ وحدہ و نھو حسبی کافیا وبعدہ ھذہ الخاتمة تاتی عبارة التالیة ـ ... تم الکتاب فی سنة تسع وثلاثین وثمانمائة ببلدة سمرقند حفظھا اللہ من الآفات[۳]

البیرونی نے اس نادر اور اہم کتاب کو اپنے جرجان کے دورانِ قیام میں شمس المعالی قابوس بن وشمگیر کے لیے لکھا تھا اور یہ اقوام قدیمہ کی تقویم، تاریخ، اور ان کے تہواروں کے موضوعات سے متعلق ہے۔ اس کا اصل عربی متن ۱۸۷۸ء میں ایڈورڈ زخاؤ نے شایع کیا تھا اور یہ دوسری مرتبہ ۱۹۲۳ء میں شایع ہوا۔

اس کا انگریزی ترجمہ زخاؤ ہی نے لندن سے ۱۸۷۹ء میں شایع کیا تھا، جس کا نام The Chronology of Ancient Nation ہے یہ کتاب ۱۹۸۳ء میں لاہور سے بھی دوبارہ شایع ہوئی ہے۔

(۲) کتاب استیعاب الوجوہ الممکنة فی صنعة الاصطرلاب :- یہ بھی آیا صوفیا کتب خانے کا مخطوطہ ہے جو سلیمانیہ لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس مخطوطے کا نمبر ۲۵۷۶ ہے اور یہ بھی ترکی کے سلطان محمود اول کا وقف ہے۔ یہ خط تعلیق میں لکھا ہوا ہے جس میں اکثر حروف پر نقطے نہیں ہیں۔ اس میں سب ملا کر ۱۸ اوراق ہیں اور ہر ورق پر ۱۹ سطریں اور اس میں بہت سے اشکال بھی موجود ہیں۔

اس کتاب کو البیرونی نے ابی سہل عیسیٰ ابن یحییٰ الطبری سے معنون کیا تھا، یہ اصطرلاب پر البیرونی کی معرکة الآرا تصنیف ہے۔ یہ وہ آلہ ہے جو علم الھیئة کے لیے نہایت ضروری ہے۔ یہ رسالہ کسی نے بھی ایڈٹ کر کے اب تک شایع نہیں کیا ہے اس کا ایک اہم مخطوطہ کلکتہ کی ایشیاٹک سوسایٹی میں بھی موجود ہے اور اسے جلد از جلد شایع ہونا چاہیے۔

ابتداء :- بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ کتاب محمد بن احمد البیرونی فی استیعاب الوجوہ الممکنة فی صنعة الاصطرلاب الفہ لابی سھل عیسیٰ بن یحییٰ الطبری۔

خاتمہ :- "واذا اقل (و) نبینا ما وعدنا من امر ھیئة الافلاک وھیئة الارض وتکمل منھا الکتاب واللہ اعلم بالصواب کتبتہ لیکون دستورا فی نسخ کتب الھیئة۔ تمت بعون اللہ وحسن التوفیق"۔

اس کا جار اللہ کلکشن کا ایک مخطوطہ سلیمانیہ کتب خانے میں موجود ہے جسکا

نمبر ۲۴۵۱، ہے۔

(۳) تحدید نہایۃ الاماکن لتصحیح مسافات المساکن :- یہ مشہور مخطوطہ خود البیرونی کا لکھا ہوا ہے۔ یہ فاتح سلطان کتب خانے کا نسخہ ہے جو سلیمانیہ لائبریری میں محفوظ ہے اور اس کا نمبر سلطان فاتح ۳۲۸۶ ہے۔ اس میں ایک سو اکہتر اوراق اور ایک سو اٹھارہ اشکال ہیں۔ ہر صفحے پر ۱۳ سطریں ہیں، مخطوطہ خط نسخ میں ہے، جس میں خط کوفی کی خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں اس کتاب کے مالکوں کی دو چھوٹی چھوٹی مہروں کے علاوہ ملکیت کے اور دو نوٹ بھی ہیں۔ ہر صفحے پر لکھائی کا رقبہ ۱۳ × ۴½ سینٹی میٹر ہے۔ حواشی میں کچھ نوٹس ہیں جو بد خطی کا نمونہ ہیں علم الہیئۃ کے بہت سے اشکال اس میں موجود ہیں جس میں سیاہ اور سرخ روشنائی استعمال کی گئی ہے۔ ہر باب کا عنوان بھی سرخ روشنائی سے لکھا ہوا ہے۔ یہ مخطوطہ بھی ترکی کے سلطان محمود اول کے کتبخانے کا ہے۔

ابتدا :- بسم اللہ الرحمن الرحیم : قال ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی فی تحدید نہایات الاماکن لتصحیح مافات المساکن۔ لما کانت العقول محتاجۃ الی الاستعمل او النفوس غیر مستغنیۃ۔

خاتمہ :- واللہ تعالیٰ یعین علی ما انا فیہ من تصحیح الحرکات السماویۃ۔ تم تحدید الاماکن لتصحیح مسافات المساکن فرغت منہ بغزنۃ سبع بقین من رجب سنۃ ست عشرہ (ستۃ) واربع مائۃ ھ۔

اس خاتمے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ خود البیرونی نے یہ مخطوطہ ۴۱۶ ہجری بمطابق ۱۰۲۵ عیسوی میں لکھا تھا۔ تاریخی طور پر بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ ان سالوں

میں جن میں یہ مخطوطہ لکھا گیا تھا، البیرونی کا قیام غزنہ میں تھا، یہ کتاب ریاضیات اور جغرافیہ سے متعلق ہے جو البیرونی کے محبوب موضوعات ہیں۔ اس کتاب کے تیسرے باب میں البیرونی نے لکھا ہے کہ اس نے اس کو ایک گاؤں جیفور Jayfier جو کابل کے قریب ہے ۴۰۹ ہجری میں لکھنا شروع کیا تھا۔

اس کتاب کے دو ایڈیشن شایع ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر پی۔ بلغاکوف نے اس مخطوطے کو عرب لیگ قاہرہ کے شعبۂ ثقافت کی طرف سے ۱۹۶۲ء میں شایع کیا تھا اس کا دوسرا ایڈیشن اسی سال محمد طاویت الطنجی نے انقرہ سے شایع کیا۔ اس کا انگریزی ترجمہ The determination of tha Co Ordinatesof Positionsfor the Correction of Distances Between Cities ڈاکٹر جمیل علی نے بیروت کی امریکن یونیورسٹی کی طرف سے شایع کیا تھا[۵]

(۴) کتاب القانون المسعودی :- یہ ریاضیات اور علم الہیئۃ پر البیرونی کی ایک معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ اس مخطوطے کا نمبر ہے ۱۴۹۸ یہ جار اللہ کتب خانے کا مخطوطہ ہے جو سلیمانیہ لائبریری میں محفوظ ہے اس میں ہر صفحے پر ۲۵ سطریں ہیں اور سب ملا کر اس میں ۴۰۲ اوراق ہیں اس میں ۲۳۶ ہندسی اور ریاضی اشکال موجود ہیں جن کا تعلق علم الہیئۃ سے ہے۔ حروف پر نقطے عام طور سے نہیں دیے گئے ہیں۔ چند اوراق کرم خوردہ ہیں لیکن مخطوطہ بہت اچھی حالت میں ہے۔ اس مخطوطے میں تاریخ کتابت آخر ربیع الاول ۵۳۱ھ (مطابق ۱۱۳۶ء) درج ہے۔ لہذا اگر یہ مان لیا جائے کہ البیرونی کی وفات ۴۴۲ ہجری میں ہوئی تھی تو یہ مخطوطہ اس کے انتقال کے صرف نواسی سال بعد لکھا گیا ہے۔ البیرونی کے

قول کے مطابق اس نے یہ کتاب سلطان محمود غزنوی کے جانشین سلطان ابن سعید مسعود غزنوی کے لیے لکھی تھی۔ پہلی مرتبہ یہ کتاب حیدرآباد کے دائرۃ المعارف الاسلامیۃ سے ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء میں تین جلدوں میں شایع ہوچکی ہے[۲۶]

ابتدا :- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم : المسعود من سعد باللہ و تفردبتائید ہ ایاہ من الاشکال والاشباہ فلاواضع لمن رفع ولا واجد لمن منع۔

خاتمہ :- الدعاء للملک الاجل السید المعظم ظہیر خلیفۃ اللہ وناصر دین اللہ وحافظ عباد اللہ المنتقم من اعداء اللہ ابی سعید مسعود بن یمین الدولۃ وامین الملۃ محمود اطال اللہ بقائہ۔

البیرونی نے اس کتاب پر ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں اس کے مباحث اور موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب میں گیارہ مقالے ہیں اور ہر مقالے میں متعدد ابواب ہیں۔

اس کے اور دو نسخے ترکی کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ ایک ولی الدین کی لائبریری میں جس کا نمبر ۲۷۹۲ ہے اور دوسرا مخطوطہ قونیہ کی یوسف آغا کی لائبریری میں ہے جس کا نمبر ۲۷۷۲ ہے، اس کتاب کے اور بھی مخطوطے لندن اور برلن کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ مشہور ترکی مورخ ذکی ولیدی طوغان نے اس کے جغرافیہ کا حصہ جو پانچویں مقالے کے انیسویں باب پر مشتمل ہے۔ اپنے حواشی اور تعلیقات کے ساتھ نشر کیا ہے[۲۷] جیسا کہ انھوں نے اس کے اور دوسرے بابوں کو بھی ترجمہ کر کے شایع کیا ہے۔ اس کتاب کے اور تین اہم مخطوطات بوڈلین لائبریری، آکسفورڈ، شاہی لائبریری برلن اور برٹش میوزیم

لائبریری لندن میں موجود ہیں۔

(۵) کتاب التفہیم لاوائل صناعۃ التنجیم :- یہ البیرونی کی علم نجوم کے موضوع پر مشہور کتاب کا مخطوطہ ہے۔ اس کے مخطوطات دنیا کی مختلف لائبریریوں میں ہیں۔ یہ فیض اللہ کلکشن کا مخطوطہ ہے جو فاتح ملت لائبریری استنبول میں محفوظ ہے۔ نمبر ۱۳۳۳، اس کے ۲۴۷ اوراق ہیں اور ہر صفحے پر ۱۳ سطریں ہیں، یہ سیاہ روشنائی سے لکھا گیا ہے لیکن ستاروں کے نام سرخ روشنائی سے ہیں، بہت عمدہ کاغذ استعمال کیا گیا ہے اور اس مخطوطے کی حالت کافی اچھی ہے۔ سرورق پر صرف کتاب کا نام لکھا ہوا ہے، مصنف کا نام اور دوسری تحریریں دانستہ طور پر مٹادی گئی ہیں۔ طلائی روشنائی سے دائرہ کی شکل میں تین مہریں موجود ہیں۔ جن میں الملک الناصر الملک العزیز اور صلاح الدنیا والدین ابو المظفر ابن سفیان کے نام موجود ہیں، سرورق کے بعد والے صفحے پر تحریر ہے کہ یہ کتاب البیرونی نے الحسن الخوارزمی کی دختر ریحانہ کے لیے لکھی تھی ایک گول مہر یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ مخطوطہ شیخ الاسلام فیض اللہ آفندی کا وقف ہے۔ اس میں بہت سے اشکال بھی پائے جاتے ہیں۔

خاتمہ :- تم الکتاب ووقع الفراغ عنہ فی رمضان المبارک سنۃ ثمان واربعین وست مائۃ بمدینۃ دمشق المحروسۃ الحمد للہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد النبی ... وسلم تسلیما کثیرا۔

اس کا عربی متن اور انگریزی ترجمہ جس کی بنیاد برٹش میوزیم لندن کا مخطوطہ اُر ۸۳۴۹ ہے آر۔ ریمزے رائٹ نے ۱۹۳۴ء میں لندن سے شایع کردیا ہے۔ اس کا فارسی ترجمہ سید جلال ہمائی نے طہران سے ۱۹۴۰ء میں شایع کیا تھا۔

البیرونی کی ایک سو چراسی کتابوں اور رسالوں کے نام مجھے معلوم ہوئے ہیں۔ مصر کے عیسائی محقق اور عالم ڈی۔ جے۔ بوالو مرحوم نے اپنی جامع ببلیوگرافی[۸] میں ان کی ایک سو اسی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

بنارس کے مشہور پنڈت اور علم الہیئۃ کے ماہر بیجائے نند کی کتاب کرنا تلکا کا عربی ترجمہ غرۃ الزیجات البیرونی نے کیا تھا۔[۹] اس کا ایک مخطوطہ مل گیا ہے اور اس کا متن اور انگریزی ترجمہ بھی شایع ہو چکا ہے، اس کتاب کا علم مرحوم بوالو کو نہیں تھا۔

اس کے بعد اور کئی مختصر رسالے منظر عام پر آئے ہیں، ایک رسالہ بنام کتاب الارانی سطح الاکر، آکسفورڈ یونیورسٹی کے بوڈلین لائبریری میں دستیاب ہوا ہے۔[۱۰] البیرونی کے بہت سے رسالے اور کتابیں اب تک منظر عام پر نہیں آئیں۔ امید کی جاتی ہے کہ ان میں سے بعض دستیاب ہو سکیں گی اور یہ عین ممکن ہے کہ ان میں سے چند کے مخطوطات استنبول کے کتب خانوں ہی میں مل جائیں۔ لیکن یہ بہت تلاش و تجسس کے بعد ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

حواشی

[۱] دیکھیے ڈی۔ جے۔ بوالو، البیرونی Encyclopedia of Islam نیا ایڈیشن، جلد اول (۱۹۶۰ء) صفحات ۱۲۳۶-۱۲۳۸؛ ای۔ ایس۔ کینیڈی، البیرونی Dictionary of Scientific Biography جلد دوم (نیویارک، ۱۹۷۰ء) صفحات ۱۴۷-۱۵۸؛ ایم۔ ایس۔ خان A Classified Bibliography of recent publicationson al biruni

مسلم ورلڈ بک ریویو لیٹرین جلد دہم، نمبر ۳ (۱۹۹۰ء) صفحات ۶۵-۵۰، [۲] رمضان ششن، المخطوطات الترکیۃ ونشر فعارسها، کتاب اهمیۃ المخطوطات الاسلامیۃ میں موسسۃ الفرقان للتراث الاسلامی، لندن (۱۹۹۲ء) صفحات ۱۰۵-۱۱۲۔ [۳] دیکھیے الدکتور عبدالقادر قرہ خان، ابوالریحان البیرونی مولفا تہ المخطوطات بمکتبات استنبول، کتاب Al Biruni Commemorative Volume میں، ایڈیٹر حکیم محمد سعید، کراچی، پاکستان (۱۹۷۹ء) صفحات ۱۹-۲۴ [۴] البیرونی کی اس تحریر کے عکس کے لیے دیکھیے ایران سوسائٹی کی شایع کردہ کتاب Al Biruni Commemoration Volume (کلکتہ ۱۹۵۱ء) صفحہ بالمقابل سرورق [۵] دیکھیے جمیل علی کا یہ انگریزی ترجمہ، بیروت، ۱۹۶۷ء، صفحات ۲۷۸ [۶] اس کے متن کی تیاری پر ان چاروں مخطوطات سے استفادہ کیا گیا تھا، لیکن اس میں اصلاح و تصحیح کی گنجایش موجود ہے۔ اس کی اشاعت دائرۃ المعارف کا ایک اہم کارنامہ ہے [۷] دیکھیے پروفیسر طوغان کا Biruni's picture of the world; Memoirs of the Archeological Survey of India no 53 [۸] دیکھیے L' Oeurvre D' Al-Biruni رسالہ میڈیو (MIDEO) جلد دوم میں (قاہرہ ۱۹۵۵ء) صفحات ۱۶۱-۲۵۶ اور اس کے دو تتمے جو ۱۹۵۶ء اور ۱۹۷۲ء میں رسالہ مذکور میں شایع ہوئے ہیں [۹] اسکا متن پنجاب یونیورسٹی لاہور سے شایع ہوا ہے، اسکا متن انگریزی ترجمہ کے ساتھ پروفیسر این اے بلوچ نے سندھ یونیورسٹی پاکستان کی طرف سے شایع کیا ہے Ghurral al Zijat or Karva Tilaka by Bijayanand of Benaras 1973 عربی متن صفحات ۹۴، مقدمہ اور انگریزی ترجمہ صفحات ۴۷، [۱۰] ملاحظہ کیجیے فواد سزگین Geschichte Des Arabischain Schrifttums جلد پنجم (لندن ۱۹۷۴ء) صفحات ۳۷۵-۳۸۳ اور جلد ششم (لندن ۱۹۷۸ء) صفحات ۲۶۰-۲۶۷

ہندوؤں میں عربی[1]

جناب رام لعل نابھوی صاحب

زبان اس کی ہے جو زبان سیکھتا ہے۔ اس پر عبور حاصل کرتا ہے۔ پڑھتا ہے۔ لکھتا ہے۔ اور لوہا منواتا ہے۔ لوگوں کو مادری زبان بھی خواہ کوئی بھی زبان ہو سیکھنی پڑتی ہے۔ کسی زبان پر کسی مذہب کی اجارہ داری نہیں۔ زبان کسی دائرے میں قید نہیں کی جاسکتی۔ یہ کسی جکڑ بندی میں نہیں آتی۔ زبان ٹھاٹیں مارتا سمندر ہے جس میں اور زبانیں بھی گھس پیٹھ کر لیتی ہیں۔

عربی زبان عرب کے باشندوں کی ہے۔ اس زبان میں لکھی کتابیں غیر زبانوں میں منتقل ہوئیں۔ غیر زبانوں کی کتابیں عربی زبان میں ڈھالی گئیں۔ زبان کا سرمایہ بڑھتا گیا۔ عربی ملکوں ملکوں پھیلی۔ عرب کے تاجر ہندوستان آتے تھے۔ آہستہ آہستہ رابطہ کی زبان بن گئی۔ علم و ادب نے ترقی کی۔ مسلمان بادشاہوں نے اسے فروغ دیا۔ ہندوؤں نے جنھیں زبانیں سیکھنے۔ جاننے کا شوق قدرت نے ودیعت کیا ہے، اردو۔ فارسی۔ عربی کو سیکھا۔

یہاں ایک بات کہنا ضروری ہے کہ عربی کی طرح سنسکرت کو بھی پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ مسلمان بادشاہوں نے کافی حد تک اسے فروغ دینے میں نمایاں حصہ لیا۔ غیر ممالک سے اسکالر ہندوستان سنسکرت سیکھنے کے لیے آتے۔ پچاسوں کتابیں

[1] معارف: غالباً مقالہ نگار نے سکھوں کو بھی ہندوؤں میں شامل کرلیا ہے، انکی فہرست کے بعض نام سکھ معلوم ہوتے ہیں۔

عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ یہاں سے عالم پنڈت بلائے جاتے اور سنسکرت زبان کی کتابیں عربی میں ترجمہ کرنے کے لیے مدد لی جاتی۔

عربی مشکل زبان ہے۔ ہندوستان میں یہ درباری زبان کبھی نہیں رہی۔ لیکن مکتبوں۔ مدرسوں اور مسجدوں میں مسلمان بچوں کے ساتھ ہندوؤں کے بچے بھی پڑھتے تھے۔ مولوی عربی، فارسی پڑھاتے۔ جہاں مولوی عالم فاضل ہوتے تھے، وہاں بچے بھی بہت ذہین ہوتے تھے۔ پڑھائی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔ مولوی محبت اور لگن سے پڑھاتے تھے۔ وہ اسے اسلامی فریضہ سمجھتے اور ثواب خیال کرتے تھے۔ بچے تختیاں ہاتھ میں قلم دوات اٹھائے خوش خطی سیکھتے۔ والدین قلم تراش دیتے۔ تختیاں تیار کرتے۔ سیاہی بناتے اور بچوں کا خط دیکھکر پھولے نہ سماتے۔ جن گھرانے میں عربی۔ فارسی نہیں جانی جاتی تھی اسے تہذیب یافتہ گھرانا سمجھا ہی نہیں جاتا تھا۔ اس لیے عربی۔ فارسی چلن عام تھا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ رقم طراز ہیں:۔

ایک زمانہ وہ تھا جب ہندو فارسی عربی کے عالم ہوا کرتے تھے۔" اردو ادب کی ایک صدی"۔ صفحہ ۱۱۸ حاشیہ، کلر پرنٹنگ پریس، دہلی۔

عربی میں ہندوؤں کے کام پر کوئی کتاب۔ کوئی مضمون۔ کوئی مقالہ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ کوئی مذاکرہ۔ مباحثہ۔ نہیں سُنا۔ ببلیوگرافیوں، تذکروں میں کہیں کہیں ہندو عربی دانوں کا ذکر ملتا ہے لیکن نہیں کے برابر۔ مثلاً تذکرہ گلزار ابراہیم میں تلک چند بہار مصنف "بہار عجم" کے بارے میں لکھا گیا ہے:۔

"در عربی مناسبت و در فارسی مہارت دانیست"۔

تلک چند بہار کی یہ لغت بہت ضخیم ہے، فارسی میں ہے۔ ایران میں اس لغت کو استناد کا درجہ حاصل ہے۔ وارستہ مل سیالکوٹی کی فارسی "مصطلحات شعراء" کو بھی یہی درجہ حاصل ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ان علماء کو عربی لغت کا پتہ نہ ہو بلکہ عبور حاصل نہ ہو۔

منشی اندر من مرادآبادی عربی، فارسی، اردو، سنسکرت، ہندی کے بہت بڑے عالم تھے، جو کتاب انہیں گراں گزرتی اس کا جواب اسی زبان میں دیتے اور شایع کراتے مثلاً کسی نے فارسی نظم و نثر میں کچھ لکھا تو انھوں نے فارسی نظم و نثر میں جواب دیا۔ ان کا ذکر ایک آدھ جگہ بھی نہیں ملے گا حالانکہ وہ اپنی کتابوں میں عربی کتابوں کے حوالے دیتے تھے، میرے پاس ان کی بہت کتابیں ہیں، جو ضخیم ہیں۔

ساجد زید پوری اپنی تصنیف "لچھمی نرائن شفیق" میں رقمطراز ہیں:۔

"الفت لکھنوی، عربی صرف و نحو سے کافی واقفیت تھی"۔ صفحہ ۳۶۔

"بسمل لکھنوی، عربی، فارسی، صرف و نحو میں مہارت تھی"۔

"لچھمی نرائن شفیق عربی، فارسی، اردو جانتے تھے، عربی قطعہ بھی لکھا ہے"۔

دیباچے کے تحت جو عبارت ہے اس کے نیچے عربی میں شعر درج ہے۔ صفحہ ۸۹

نریندر بہادر سریواستو اپنی تصنیف "نوابی عہد میں ہندوؤں کا فارسی میں یوگ دان" میں رقمطراز ہیں:۔

"الفت لکھنوی۔ عربی جانتے تھے"۔

"گوبند پرشاد فضا لکھنوی۔ عربی جانتے تھے"۔

میرا اندازہ ہے کہ لکھنؤ کا ہر فارسی اور اردو شاعر عربی جانتا تھا چندولال نادر ہوں۔ طوطارام شایاں ہوں۔ رتن سنگھ زخمی ہوں یا کوئی اور۔ ادھر پنجاب میں

عربی جاننے والے بہت تھے۔ میرے مضمون* "فارسی کے ہندو انشاپرداز" میں جن انشاپردازوں کا ذکر ہے وہ سب عربی جانتے تھے۔ نابھا میں دو ایسے فارسی داں تھے جن کی فارسی میں تصنیفات موجود ہیں۔ ایک تھے منشی گوبند رام اور دوسرے پنڈت کرتارام۔ دونوں عربی سے واقف تھے۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ کو قرآن شریف پر عبور حاصل تھا۔

بشیر ساجد لاہور۔ "اوراق" لاہور کے جون۔ جولائی ۱۹۹۲ء کے شمارہ میں رقمطراز ہیں:۔

"بہاری لال۔ عربی، فارسی میں کمال مہارت رکھتا تھا"۔

ڈاکٹر شیوراج چودھری دہلی یونیورسٹی میں عربی کے استاد تھے۔ انھوں نے عربی میں گیتا کا ترجمہ کیا۔ گوروکل ہردوار میں ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ وہاں معلوم ہوا ویدوں کا ترجمہ عربی میں کر رہے ہیں۔ پھر سب کچھ چھوڑ چھاڑ دنیا کو ہی چھوڑ کر چلے گئے۔

جناب ایس کے تلواڑ دہلی میں ہیں۔ عربی کے ایم اے ہیں اور اس زبان کا بیحد شوق ہے۔ شری ایس۔ کے۔ جاوا نے سردار گوردیال سنگھ مجذوب دہلی کی کتاب "بھاغفت غیتا" (گیتا) کا پیش لفظ عربی میں لکھا ہے۔

سیوارام جوہر کی کوئی عربی کی کتاب ہمیں دستیاب نہیں ہوئی۔ لیکن ان کی کتاب "جوہر التراکیب" میں جو فارسی میں منظوم کتاب ہے۔ اوزان مصادر عربی پر فارسی میں چار اشعار درج ہیں۔ اس سے ان کی عربی دانی کا پتہ چلتا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:۔

ازثلاثی مجرد مصدر آمد سی و پنج   تنل و فسق و شغل و کتیان باز حرمان در دوام

رحمت و نشدت صعوبت کدورت و غفران و طلب — محمدت مسعات مرجع مدخل و دعوی حجام

ہم زہادت ہم درایت ہم بغایت ہم و میض — ہم کراہیت صغر قیلولہ و بشری دوام

ہم ختق ذکری ھدیٰ و ہم تطییعت ہم دخول — غلبہ و نزوان و سرقہ خواں بحرکت عین لام (ص۹)

رچی رام آریہ اپدیشک کی ایک کتاب "عرب میں سات سال" میرے پاس ہے ان کا کام آریہ سماج کا پرچار تھا، ظاہر ہے کہ انھوں نے عربی زبان سے ہی کام لیا ہوگا۔

مولوی مہیش پرشاد عربی کے عالم تھے۔ ان کے کام کی تلاش کی جارہی ہے۔

لالہ مالک رام عربی جانتے تھے۔ ان کی کوئی تصنیف تو نہیں لیکن انھوں نے مجھے خط میں لکھا تھا کہ وہ اپنے عربی جاننے والے دوستوں کو خط عربی میں ہی لکھتے تھے۔

سردار دیدار سنگھ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے عربی میں بیروت سے پی۔ ایچ ڈی کی تھی۔ معلومات حاصل کی جارہی ہیں۔

دولت رام آریہ مسافر عربی دان تھے۔ وہ آریہ سماج کے پرچارک تھے۔ ٹکر لیتے رہتے تھے۔

راجہ رام موہن رائے نے عربی پڑھی تھی۔ دیکھئے فارسی ادبیات میں ہندوؤں کا حصہ از ڈاکٹر سید عبداللہ صفحہ ۲۱۶۔

منشی گوبند لال صفا لکھنوی۔ آپ نے عربی میں اشعار کہے ہیں۔ دیکھئے نوابی عہد کے ہندوؤں کا فارسی میں یوگ دان از ڈاکٹر سریواستو صفحہ ۱۳۸۔

ڈاکٹر سریواستو نے اسی کتاب میں بہادر سنگھ بھٹناگر۔ کندن لال اشکی۔ منولال فلسفی۔ لکشمی نرائن۔ عوض رائے حسرت۔ راجہ درگا پرشاد کی عربی دانی کا ذکر بھی کیا ہے۔

پنڈت ٹیکا رام آخون۔ عربی اور فارسی کی تعلیم اونچے درجے کی پائی تھی۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد عربی اور فارسی تعلیم کے لیے ایک مکتب قائم کیا تھا۔ کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ از عبدالقادر سروری، صفحہ ۲۰۲۔

روپ بھوانی۔ روپ بھوانی یا روپہ بھوانی کی تربیت ان کے والد نے کی تھی جو خود بھی ایک عارف تھے اور عربی اور فارسی میں دستگاہ رکھتے تھے (صفحہ ۲۵۵ ایضاً)

پنڈت کیلاش کول۔ عربی اور فارسی میں اچھی دستگاہ پیدا کرلی تھی۔ صفحہ ۱۲۸۔ ایضاً

پنڈت ہری کول ہری۔ عربی میں صلاحیت پیدا کرلی تھی۔ صفحہ ۳۰۸۔

یہ ایک سرسری تجزیہ ہے۔ تفتیش و تلاش جاری ہے۔

منسلکہ نقشہ ایسے ہندو عربی دانوں کا ہے جن کی عربی میں تصنیفات و تالیفات موجود ہیں۔

ہندوؤں کو عام شکایت ہے کہ عربی۔ فارسی۔ اردو میں ان کا کام نہیں بتایا جاتا، اسی طرح سنسکرت میں مسلمانوں کے کام کا بھی ذکر کم ہوتا ہے۔

نمبر شمار			
۱	یادگار راضی جلد اول	دیوان حاجی بہاری لال راضی۔ شاگرد غالب	۱۶۷ صفحات جہازی سائز۔ شروع میں نظم عربی میں ہے۔ عربی کے علم صرف پر ہے۔ مطبع مفید عام آگرہ ۱۲۷۴ ہجری۔ نابھوی کے پاس ہے
۲	الکیتا۔ (گیتا)	کنور ماکن لال	۱۴۳ صفحات۔ بڑا سائز ۱۹۵۱ء مطبع مجلس دائرۃ المعارف۔ نابھوی کے پاس ہے۔

۳ مبدأ المعرفان (ایشو اپنشد)

پنڈت کالی چرن شرما	۱۶ صفحات۔ ڈیمائی سائز۔ ونس پریس آگرہ۔ سال درج نہیں۔ نابھوی کے پاس ہے۔ اندازہ ہے کہ پنڈت کالی چرن شرمانے سبھی اپنشدوں کا ترجمہ عربی میں کیا ہوگا۔ تلاش جاری ہے۔

آگے چند عربی کتب و مخطوطات کا گوشوارہ ملاحظہ ہو:۔

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب عربی	سن طباعت	نام پریس	سائز	صفحات	کیفیت
۱	گوردیال سنگھ مجذوب	بہا غفت غیتا	۱۹۸۶	نازیہ آفسٹ پرنٹنگ پریس لال کنواں دہلی	ڈیمائی	۴۸	قیمت بارہ روپیہ پبلیشر کاپایا پبلیکیشنز، ۲۷۷/اپٹیل پارک بہادر گڑھ، ہریانہ۔
۲	"	الفرائد الفریدیۃ شیخ بابا فرید شکر گنج کے گورو گرنتھ صاحب درج ۱۳۰ اشلوک کا ترجمہ	۱۹۸۴	نیو پبلک آفسٹ پریس لال کنواں دہلی۔	ڈیمائی	۴۸	قیمت چھ روپے پبلیشر کاپایا پبلیکیشنز ہریانہ۔
۳	"	مرقاۃ العرفان جپ جی صاحب کا عربی ترجمہ	۱۹۸۶	نازیہ آفسٹ پرنٹنگ پریس رودگراں لال کنواں دہلی۔	ڈیمائی	۶۴	قیمت ۲۰ روپے پبلیشر مکتبہ انجمن ترقی اردو بازار جامع مسجد، دہلی۔
۴	مترجم گوردیال سنگھ مجذوب	الصحافۃ ومبادیہا الاساسیۃ	۱۹۸۰	جے۔ کے آفسٹ پرنٹرز دہلی۔	ڈیمائی	۱۰۴	قیمت ۲۰ روپے کاپایا پبلیکیشنز ۲۷۷/اپٹیل

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب عربی	سن طباعت	نام پریس	سائز	صفحات	کیفیت
		بلبیت سنگھ مطر کی اردو کتاب اخبار نویسی کے ابتدائی اصول کا عربی ترجمہ					پارک، بہادر گڑھ، ہریانہ۔
۵	گوردیال سنگھ مجذوب	انما ھو: درشنا بالذات ولیس الفلسفۃ پروفیسر خواجہ عبدالحئی صدر شعبہ فلسفہ دیال سنگھ کالج دہلی کے محققانہ انگریزی لیکچر کا عربی ترجمہ: موضوع ہے کہ اصطلاح فلسفہ کی بجائے اصطلاح: درشنا ایک جامع اصطلاح ہے۔	سن اشاعت درج نہیں	لکشمی پرنٹنگ ورکس لال کنواں دہلی۔	ڈیمائی	۳۲	مکتبہ روشن ادب ۳۳۴۳، قاسم جان اسٹریٹ دہلی نے شایع کیا۔ قیمت درج نہیں۔
۶	گوردیال سنگھ مجذوب	المرأۃ فی الاسلام	۱۹۹۰	اردو پرنٹرز ۳۸۳۳/۱	ڈیمائی	۳۱۶	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی، قیمت ۹۰ روپے۔

نمبر شمار	نام مصنف	عربی کتاب کا نام	سن اشاعت	نام پریس	سائز	صفحات	کیفیت
		محقق و عالم جناب مالک رام صاحب کی کتاب؛ عورت اور اسلامی تعلیم کا اردو سے عربی میں ترجمہ		بھگوان پور کھیڑا لونی روڈ شاہدرہ دہلی۔			
۷	مترجم گوردیال سنگھ مجذوب مصنفہ ڈاکٹر راضیہ حامد صاحبہ کے تھیسس کا اردو سے عربی میں ترجمہ	النواب صدیق حسن خاں	زیر اشاعت	—	غالباً ڈیمائی ہوگا	مخطوطے کے صفحات ۳۰۰	مترجم معاوضہ لے چکا ہے اور کتاب مصنفہ کے رائلٹی کی وجہ سے ۱۹۸۷ء سے مولانا ابوالکلام عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک راجستھان زیر اشاعت ہے۔ کتابت ہو چکی ہے۔
۸	گوردیال سنگھ مجذوب	تناغم المآسی	مخطوطہ	—		مخطوطے کے صفحات ۲۶۸	ہسٹری آف ہیومن ریسورسز

نمبر شمار	نام مصنف	عربی کتاب کا نام	سن اشاعت	نام پریس	سائز	صفحات	کیفیت
		انگریزی اردو ہندی کہانیوں کا عربی میں ترجمہ ہے۔ تمام المیہ افسانے ہیں					ڈویلپمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا کے ساتھ طباعت میں مالی امداد کے لیے درخواست زیر غور ہے۔
۹	گوردیال سنگھ مجذوب	طمانینۃ النفس (سکھ منی صاحب کا عربی میں ترجمہ)	مخطوطہ			مخطوطہ کے صفحات ۱۳۴	اشاعت کا ارادہ نہیں۔ مذہبی کتاب کے سبب مالی امداد کا سوال حائل ہے۔
۱۰	گوردیال سنگھ مجذوب	تحفۂ نیل (عربی افسانوں کا اردو میں ترجمہ)	مخطوطہ			مخطوطہ کے صفحات قریباً اڑھائی سو ہیں	اشاعت کا ارادہ ہے کوئی پبلشر ملے کوشش جاری ہے۔
۱۱	گوردیال سنگھ مجذوب	ملفوظات قداسۃ المآب شانکی اشاریہ	مخطوطہ			مخطوطہ کے قریباً ڈیڑھ سو صفحات ہیں	زیر اشاعت ہو سکتا ہے۔
۱۲	مترجم گوردیال سنگھ مجذوب	الحیاۃ الناجحۃ	مخطوطہ			مخطوطہ محض ۳۲ صفحات	ایک ڈاکٹر صاحب اپنے خرچ

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب عربی	سن طباعت	نام پریس	سائز	صفحات	کیفیت
		اردو میں ایک طبی رسالہ کا عربی میں ترجمہ۔				تک شایع کیا جاچکا ہے۔ سن اشاعت ۱۹۹۲ء	پر چھپوا رہے ہیں مترجم معاوضہ ۵۰۰/- روپے حاصل کر چکا ہے۔
۱۳	مترجم گوردیال سنگھ مجذوب	تسلسل یوغا الصحی ر قسم ۳ فی معالجۃ مرض ذیابیطس	ایکس فاآل دہلی نے انگریزی سے عربی میں ترجمہ کروایا ہے۔ سن ۱۹۹۲ء			مخطوطہ کے ۳۲ صفحات بغیر تصاویر ہیں۔	مترجم ۵۶۰/- روپے معاوضہ لے چکا ہے۔ اگر مسودہ منظور ہوا تو لبنان میں شایع ہوگا حسب اطلاع تحریر کیا جارہا ہے۔

اخبار علمیہ

حرمین شریفین اور حج بیت اللہ سے متعلق تحریریں اور تاثرات علوم اسلامیہ کا عظیم الشان اور بے مثال ذخیرہ ہیں، یہ محض احساسات و تاثرات کا مجموعہ ہی نہیں ہیں بلکہ تاریخی و جغرافیائی اعتبار سے بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اب معلوم ہوا ہے کہ سوئٹزرلینڈ کے ایک ادارہ دی آرکائیو انٹرنیشنل گروپ نے تقریباً چھ ہزار صفحات پر مشتمل دس ضخیم جلدوں کا ایک حج نامہ شایع کیا ہے جس میں قدیم اور مستند دستاویزیں، اہم ذمہ داروں کے تبصرے، انتظامی امور کی مفصل سالانہ روداد، اعداد و شمار، حج ہی سے متعلق حکمرانوں کی خط و کتابت کو عہد بعہد جمع کیا گیا ہے، اس کے علاوہ ابن جبیر سے علی شریعتی تک مختلف اہم اشخاص کے ذاتی تاثرات و تجربات بھی یکجا کر دیے گئے ہیں، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے متعدد اہم تاریخی نقشے، مختلف دور کے کاروانِ حج کے راستے، مکہ کے قدیم خاندانوں مثلاً شریف مکہ وغیرہ کے نسب نامے بھی درج کیے گئے ہیں، ایک جلد حج کی روحانی اہمیت کے بیان اور ادعیہ حج پر مشتمل ہے، اس نہایت مفید اور جامع حج انسائیکلوپیڈیا کے مرتب ایلین رش ہیں اور اسکی قیمت ۱۲۴۹۵ اسٹرلنگ پاؤنڈ ہے۔

ہندوستان کے صاحب فکر و نظر تاریخ نگاروں میں رومیلا تھاپر کا نام نمایاں ہے، خصوصاً ہندوستان کی قدیم تاریخ پر انکی گہری نظر ہے، حال ہی میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس

نے ان کی کتاب inter prating early india شایع کی ہے،
اس میں انھوں نے اٹھارہویں صدی کے یوروپی خصوصاً جرمن اور انگریز مورخوں کے
وضع کردہ تاریخی معروضوں کا رد وابطال کیا ہے، ان مورخوں نے اپنے مخصوص مقاصد
کے پیش نظر ہندوستان کی تاریخ کو مسخ کرکے پیش کیا ہے جن کی تقلید انیسویں صدی
کے اوائل کے بعض ہندوستانی قوم پرست تاریخ نویسوں نے بھی کی اور آریوں کی نسلی
برتری، ویدک تہذیب کی عظمت، قدیم ہندوستان کی یک جہتی اور ہندو قوم کی رواداری
اور عدم تشدد کے گیت گائے، لیکن رومیلا تھاپر نے ٹائمس آف انڈیا کے مبصر کے
الفاظ میں "ان معروضات کو ردی کی ٹوکری کے حوالہ کر دیا"۔ انھوں نے ویدک کلچر سے
پہلے وادی سندھ کی تہذیب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس کا خاتمہ صرف
ویدک کلچر کی آمد سے نہیں ہوا بلکہ اس میں موسمی تغیرات جیسے سطح سمندر کا زیادہ اونچا
ہونا اور اس کے نتیجہ میں سیلاب آنا، پانی کا نمکین ہوجانا اور مرطوب کا خشک آب
وہوا سے بدل جانا بھی شامل ہے، ان مورخین نے قومی تشخص کے نظریہ کو ماضی بعید کے
ہندوستان میں تلاش کیا تھا، رومیلا تھاپر نے اس نظریہ پر سخت گرفت کرتے ہوئے
سوال کیا ہے کہ کیا قدیم ہندوستان میں ہمیشہ یک رنگی اور یکسانی رہی جو سیاسی مقاصد
کے حصول کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے؟ انھوں نے خاص طور پر ہندو قومیت کو
اپنی بحث کا مرکز بنایا کہ یہی سب سے بڑی اور غالب قوم رہی ہے، ان کا حاصل مطالعہ
یہ ہے کہ یہ نام نہاد یکسانی قطعی غیر معتبر اور مکمل گڑھی ہوئی ہے، برہمنوں اور شرامنوں
کی مخاصمت سانپ اور نیولے سے کم نہیں، برہمنوں کو مذہبی رسوم کے مکمل اختیارات
حاصل تھے اور یہی ان کی قوت اور اثر و نفوذ کا سرچشمہ ہے، شرامنوں میں بودھ، جین

اجیوکا اور دوسرے طبقے شامل ہیں، انھوں نے ویدک سروتی اور بلیدان وغیرہ
تصورات کی سخت مخالفت کی، رواداری اور عدم تشدد کا اگر وجود تھا تو ہندومت
کے مخالف بدھوں اور جین مت میں تھا ورنہ کشمیر، تامل ناڈو جیسے علاقوں میں
غیر برہمنوں پر جبر و تعذیب کی نئی مثالیں قائم کی گئیں اور چھوت چھات کا برہمنی
نسخہ تو اس جبر کی سب سے بڑی مثال ہے، تھاپر نے اس نظریہ کا بھی ابطال کیا
کہ ہند آریائی ایک متحدہ برتر نسل تھی جس نے مقامی dasyus کو فتح کرکے
اپنی برتر ویدک تہذیب کو عام کیا۔ ان کی تحقیق کے مطابق ویدک کلچر ایک تدریجی ارتقائی
عمل تھا جس میں مقامی اثرات ضم ہوتے گئے، چنانچہ رگ وید جیسی ابتدائی کتابوں میں
غیر آریوں کی بات چیت شامل ہے، انھوں نے لفظ آریہ کو نسل سے زیادہ زبان کے
پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کی ہے، ایک باب میں انھوں نے پھر ہندو قومیت کے
وجود پر بحث کرتے ہوئے دلچسپ سوال کیا کہ ہندو لفظ سب سے پہلی مرتبہ پندرہویں
صدی میں استعمال کیا گیا اور ہندوستان کو جغرافیائی لحاظ سے الہند کہا گیا، یہ تو بعد میں
سمجھایا گیا کہ ہندو وہ ہے جو ہندوستان کا رہنے والا ہو لیکن وہ مسلمان اور عیسائی
نہ ہو اور پھر سیاسی قوت کے حصول کے لیے برہمنیت نے ہندو قومیت کا نظریہ
اختیار کیا اور مجبوراً اس دائرہ میں انھوں نے کم ذاتوں کو شامل کرکے ہندومت
کو برہمنیت کے متبادل کی حیثیت سے وضع کیا، حالانکہ ماضی میں یہ برہمنیت بھی
غیر ملکی ہی تھی۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں قدیم تاریخ ہند اور قرون وسطیٰ کے مسلم
دور حکومت کی تاریخ کے مطالعہ و تجزیہ کی کوششیں دور رس اور زیادہ مفید ہیں،

چنانچہ حال ہی میں چند اہم انگریزی کتابوں کی اشاعت کی خبر ملی ہے ان میں این سلی ایمبری کی ریلیجن اینڈ نیشنلزم ان ماڈرن انڈیا، ہرنبس مکھیا کی پرسپکٹیو آف میڈیول ہسٹری اور ستیش چندر کی مغل ریلیجیس پالیسیز قابل ذکر ہیں، ایمبری نے گذشتہ تیس برسوں میں مذہب، سیاست اور قومیت پر کئی عمدہ مقالے لکھے، ان کو اس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے، انھوں نے بھی ہندوستانی تہذیب کی تاریخ میں ہندو رواداری کے دعویٰ کی حقیقت کا انکار کیا ہے، انھوں نے بھی رومیلا تھاپر کی طرح انیسویں اور بیسویں صدی میں ہندوستان کے مخصوص سیاسی اور سماجی حالات میں ہندو قومیت اور اس کے نظریہ رواداری کی تعبیر و تشریح کی نشاندہی کی ہے، ایمبری کے خیال میں ہندو مذہب، دوسرے مذاہب سے استفادہ کرنے میں فراخ دل ہے نہ دوسروں کو خود میں جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ وہ اپنے خول ہی میں محدود ہے، ایمبری نے ہندو فکر کے پانچ بنیادی ارکان، دھرم، عمل، تجدید (اوتاریت) مذہب اور صداقت کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ مسیحیت مختلف زمانے میں فلسفہ یونان سے مارکسی فلسفہ تک متعدد تہذیبی و ثقافتی لہروں سے متاثر ہوئی لیکن ہندومت نے فی الواقعہ دوسری تہذیبوں سے کچھ نہ لیا، دوسری صداقتوں کے لیے اس نے بہت کیا تو ان کے لیے وہ جگہ یا سطح متعین کی جو اس کے احاطہ و دائرہ میں نہایت پست و حقیر تھی، ہرنبس مکھیا نے قرون وسطیٰ کی تاریخ کے سلسلہ میں بعض نہایت عمدہ اور فکر انگیز امور کی نشاندہی کی ہے، ان کا خیال ہے کہ قرون وسطیٰ کی تاریخ خالص سیاسی اور انتظامی کردار کی حامل ہے، اس کو مذہبی یا فرقہ وارانہ نظر سے اور تقلیدی اور مروجہ تاریخ نویسی کے اصولوں کی روشنی میں نہیں دیکھا جا سکتا، ستیش چندر کی کتاب راجپوتوں اور دکنی ریاستوں کے

متعلق مغلوں کی پالیسیوں کا مطالعہ پیش کرتی ہے، یہ کتاب ہرنبس مکھیا کے اصولوں کا بہترین نمونہ ہے جیسے انھوں نے یہ لکھا کہ جو لوگ شیواجی کو مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندوؤں کا نجات دہندہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں وہ جانتے ہی نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، جزیہ یا اسلامی ادعائیت جیسے عوامل صرف سیاسی ضرورتوں سے مشروط تھے، ورنہ ایک سیکولر اور غیر مذہبی ریاست کے قیام کی کوششوں کو اگر قدیم فکر کے حامل علما نے رد کیا تو راجپوت سرداروں نے بھی اسے مسترد کر دیا، جہانگیر شاہجہاں اور اورنگزیب کی اسلامی ریاست دوسری اسلامی حکومتوں کے طرز و مزاج سے عملاً جدا تھی، جزیہ کو عائد کرنا اور پھر اسے منسوخ کیا جانا اسی کی علامت ہے۔

حوصلہ مند اور مہم جو اشخاص کے ذوق جہانگیری اور شوق جہاں بانی کو مذہبی رنگ دیے جانے کے رویہ کو دیکھتے ہوئے شاید بمبئی سے کے، آر، این سوامی اور میرا دوی نے تخت طاؤس کی تاریخ کو دی پی کاک تھرونس آف دی ورلڈ کے نام سے مرتب کر کے شایع کیا ہے، اس میں مغل حکومت پر نادر شاہ کے حملہ، مسلم دہلی کی بربادی اور محمد شاہ کے خزانہ کے لوٹنے کی تفصیلات کے علاوہ یورپی مورخین کی کتابوں کی مدد سے تخت طاؤس کی جامع تاریخ بھی بیان کی گئی ہے، آج کے اعتبار سے تخت طاؤس پچیس لاکھ اسٹرلنگ کی مالیت کا تھا، اس کے علاوہ نادر شاہ نے ہیرے جواہرات، سونا چاندی اور دوسری قیمتی اشیاء کی صورت میں تقریباً ۱۲-۱۳ ملین پاؤنڈ کا خزانہ حاصل کیا، چند تاریخی مصادر سے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ نادر شاہ نے محمد شاہ سے جو دولت حاصل کی وہ دنیا کے اور بادشاہوں کے خزانوں سے سو گنا زیادہ تھی، بھارا جہ فیجز پرائیوٹ لمیٹڈ بمبئی کی شایع کردہ اس کتاب کی قیمت ایک ہزار روپے ہے۔

(ع ۔ ص)

معارف کی ڈاک

مکتوب مدینہ منورہ

مدینہ منورہ
۶ ربیع الآخر ۱۴۱۴ھ/ ۲۲ ستمبر ۹۳ء

محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ اگست کا معارف چند روز قبل موصول ہوا، اس شمارے میں بیان الحق نیشاپوری کی تفسیر ایجاز البیان کے نسخۂ ٹونک پر حکیم سید محمد احمد ٹونکی کا ایک مختصر مضمون نظر سے گذرا۔ مضمون کے آخر میں انھوں نے تحریر فرمایا ہے کہ "اگر کسی صاحب کو اس تفسیر یا اس کے مرتب کے بارے میں واقفیت اور مزید معلومات ہوں تو وہ راقم کو ضرور آگاہ فرمائیں تاکہ اشاعت کے موقع پر ان سے فائدہ اٹھاسکوں" یہ سطریں حکیم صاحب کے اسی استفسار کے جواب میں لکھی جارہی ہیں۔ اگر آپ ان تک پہنچاسکیں تو ممنون ہوں گا۔

(۱) سب سے اہم اطلاع یہ ہے کہ نسخۂ ٹونک دنیا میں ایجاز البیان کا واحد نسخہ نہیں ہے جیساکہ حکیم صاحب کا خیال ہے، دو نسخے اسی کتاب کے اور پائے جاتے ہیں۔ ایک مجلس شورائے ملی ایران کے کتب خانہ میں جس کا نمبر ۴۰۲۴ ہے، دوسرا اسکوریال میں جس کا ذکر بروکلمان نے کیا ہے۔

(۲) دوسری اطلاع یہ کہ کئی سال قبل جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں ایک طالبعلم اس کتاب پر کام کررہے تھے اور توقع یہی ہے کہ ان کا کام اب تک پورا ہوچکا ہوگا۔ البتہ اشاعت کی خبر نہیں۔

(۳) تیسری اہم اطلاع یہ ہے کہ مصنف کی ایک کتاب "وضح البرھان فی مشکلات القرآن" کے نام سے ۱۴۱۰ھ میں دارالقلم دمشق سے شایع ہوچکی ہے۔ اس ایڈیشن کی بنیاد چسٹربیٹی لائبریری کے نسخہ پر ہے دوسرا نسخہ دارالکتب المصریہ میں محفوظ ہے۔ گمان ہوتا ہے کہ ایجاز القرآن کے مقدمہ میں مذکور "باھر البرھان فی مشکلات القرآن" اسی مطبوعہ کتاب کا دوسرا نام ہوگا۔

(۴) "وضح البرھان" میں مصنف نے اپنی درج ذیل تین تصنیفات کا ذکر کیا ہے جن کا حوالہ کہیں اور نہیں ملتا ہے

۱- قطع الریاض فی بدع الاعتراض (۱: ۱۱۸)

۲- الغلالۃ فی مسألۃ الیمین علی شرب الماء من الکوز ولا ماء فی الکوز (۱: ۱۳۹)

۳- وضح البرھان کے شواہد کی شرح (۱: ۱۷۱)

(۵) "جمل الغرائب" کا موضوع غریب الحدیث یعنی حدیث کے مشکل الفاظ کی شرح ہے۔ اس کے کئی نسخے پائے جاتے ہیں۔ برادرعزیز محمد راشد اصلاحی نے اس کتاب کی تحقیق کا کام تقریباً مکمل کرلیا ہے۔

(۶) مراجع میں بیان الحق کی حسب ذیل تین مزید کتابوں کا ذکر بھی ملتا ہے اور ان میں سے ایک کا مخطوطہ بھی موجود ہے۔

۱- خلق الانسان، اس کا ذکر معجم الادباء اور بغیۃ الوعاۃ وغیرہ میں ہے اور اس کا قلمی نسخہ دارالکتب المصریہ میں محفوظ ہے۔

۲- درر الکلمات علی غرر الآیات الموھمۃ للتعارض والشبہات (ایضاح المکنون ۲: ۵۸)

۳- التذکرۃ والتبصرۃ فی مسائل الفقہ (کشف الظنون ۱: ۳۹۳)

(۷) مصنف کے حالات کے مراجع میں داؤدی کی طبقات المفسرین اور بغدادی کی ہدیۃ العارفین کا اضافہ کرلیں اگرچہ حالات کے سلسلہ میں سب کا انحصار معجم الادباء پر ہے کسی نے ایک جملہ

بھی اس پر اضافہ نہیں کیا ہے۔

ان معلومات کی حیثیت ماحضر کی ہے۔ تحقیق و تفحص سے مزید باتیں خصوصاً تصنیفات کے بارے میں معلوم ہو سکتی ہیں۔

والسلام

خاکسار ۔ محمد اجمل اصلاحی

مکتوب راجستھان

حمیدیہ لائبریری اودی کلاں راجستھان

۵ ستمبر ۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم جناب مولانا اصلاحی صاحب! مدظلکم العالی

اگست کا معارف ۴ر۲ کو ملا تو اپنی مصروفیات کے سبب صرف شذرات اور وفیات کے صفحات پڑھ کر رہ گیا، مقالات کا مطالعہ آج کر سکا جن کے بارہ میں یہ عرض کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ نہایت وقعت و اہمیت کے حامل ہیں۔ راجستھان کا باشندہ ہونے کیوجہ سے مقالہ "حضرت شیخ احمد کھتوی سرکھیجیؒ" از حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب مدظلہ (لندن) کو برائے مطالعہ ترجیح دی۔ صاحب مقالہ کے علمی و روحانی مرتبہ سے خاکسار کسی حد تک واقف ہے۔ اس لیے نہایت تامل کے ساتھ مذکورہ مقالہ کے چند امور کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا۔

• ص ۱۰۵ و ۱۰۶ پر حضرت شیخ اسحاق مغربیؒ کے وصال کا جو قطعہ تاریخ مندرج ہے اس کے مصرعوں کی ترتیب قدرے معکوس ہو گئی ہے۔ اس گنجینۂ سروری ص ۱۳۱ پر یہ قطعہ اس طرح ملتا ہے:۔

سال تاریخ وصل بو اسحاق آنکہ مشہور جملہ آفاق است
"مہدی متقی امین اللہ" ۷۷۶ھ نیز "سردار عالم اسحاق" است ۷۷۶ھ

ہم باقوال بعضے از اخبار گفت سرور کہ "شاہ عشاق" است۔ ۷۷۷ھ [طبع دوم نومبر ۱۸۸۹ء]

ممکن ہے پہلے ایڈیشن میں وہی ترتیب ہو جو حضرت متالا صاحب مدظلہ نے سپرد قلم فرمائی ہے۔

• صفحہ ۱۱۵ سطر ۴ پر شہر احمد آباد کی بنیاد کے مادہ "خیر و بخیر" میں صرف "بخیر" سے ہی ۸۱۲ھ برآمد ہوتے ہیں نہ کہ "خیر" سے بھی۔

• ص ۱۱۱ سطر ۶ پر حملۂ تیمور کے وقت (۱۳۹۸ء) سلطان دہلی شاہ محمود تغلق کو بتلایا ہے جو درست ہے مگر ص ۱۱۹ پر تحفۃ المجالس کے حوالہ سے بر وقت حملۂ تیمور سلطان فیروز کا نام آیا ہے۔ جس کا عہد حکومت ۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء تھا۔

• ص ۱۲۲ پر حضرت شیخ احمد سرکھیجیؒ کے سال ولادت کا تاریخی قطعہ ارقام فرمایا ہے۔ قیاساً عرض ہے کہ اس قطعہ کے آخری دو اشعار جو حضرت موصوفؒ کے سال وصال و مدت عمر کے مادوں پر مشتمل ہیں، محذوف ہو گئے ہیں، گنجینۂ سروری طبع دوم ص ۱۳۵ پر پورا قطعہ یوں درج ہے:۔

شیخ احمد بود مقبول خدا رہنمائے حق فقیر بے نظیر
"امجد آفاق احمد مجتبیٰ" ۷۳۸ھ۔ سرور از یں مصرع تولیدش بگیر [پورے مصرعۂ اولیٰ سے ایک تاریخ برآمد ہوتی ہے، نہ کہ دو]

وصل پاکش شد بیان "مرد خدا" ۸۴۹ھ شد عیاں "مہتاب عرفان" از ضمیر ۸۴۹ھ
سال عمرش "سالک" و "عالی" بجواں ارتحالش "مقتدا احمد امیر" ۸۴۹ھ

کاش کہ جناب حکیم سید محمد احمد ٹونکی صاحب، مولانا آزاد عربی فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک کے دیگر مخطوطات (خصوصاً تاریخی) کا تعارف بھی قارئین معارف کو اسی طرح فرماتے رہیں جیسا تفسیر ایجاز البیان کے مخطوطہ کا تعارف کرایا ہے۔ خدا کا شکر کہ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں "یہاں بھی"۔ ۱۲

دعا جو عبدالرؤف خاں

ادبیات

صلوٰۃ و سلام

از پروفیسر اختر اقبال کمالی، کراچی

زبان و دل ہیں ہم آہنگ سن کے ان کا نام
برائے پیش کش ہدیۂ صلوٰۃ و سلام

نوائے شوق کہ رونق فزائے ہستی ہے
مرے ضمیر کی گہرائیوں میں بستی ہے

یہ سیلِ نور جو الفاظ میں ابلتا ہے
کوئی چراغ ہے جو طاقِ دل میں جلتا ہے

اسی کے نور سے روشن ہے کائنات مری
اسی کے فیض سے پائندہ ہے حیات مری

یہ احترام و عقیدت کا کیف جاں پرور
یہ ایک رابطہ ہر رابطے سے بالاتر

اساسِ دیں ہے یہی مایۂ یقیں ہے یہی
دل و نگاہ کا مقصودِ اولیں ہے یہی

جو ربط قلبِ مسلماں کو انکے نام سے ہے
وہ ربطِ خاص نمایاں مرے سلام سے ہے

نیازِ عشق کہ سرمایۂ دل و جاں ہے
خلوصِ قلب کہ ہر درد و غم کا درماں ہے

وہ جذبِ شوق جو دل کے سکوں کا ضامن ہے
وہ آرزو کہ امینِ صفائے باطن ہے

وہ بندگی کہ پرستش نہیں اطاعت ہے
وہ اتباع کہ پروردۂ محبت ہے

اسی سے ہے دلِ صدیقؓ کی حق آگاہی
اسی کا فیض ہے فاروقیؓ و یداللّٰہیؓ

اسی سے پایا ہے ہر جانِ دردمند نے چین
اسی سے خلقِ حسنؓ ہے اسی سے صبرِ حسینؓ

شگفتہ گلشنِ ایماں اسی کے دم سے ہے
بہارِ خونِ شہیداں اسی کے دم سے ہے

یہ نامِ پاک محمدؐ پہ ہدیۂ تسلیم
حقیقتاً ہے خود اپنے شعور کی تکریم

ضیائے مہر نے تصدیق کس سے چاہی ہے
یہ اپنے دیدۂ بینا پہ اک گواہی ہے

یہ اعتراف ہے روحِ بشر کی عظمت کا
یہ احترام ہے اقدارِ آدمیت کا

یہ ذوق و شوقِ مسلسل درود خوانی کا
بڑا وسیلہ ہے خالق کی ہم زبانی کا

سلام اس شرفِ دودمانِ آدم پر
سلام دیدۂ حق بیں و قلبِ محرم پر

سلام پاکیٔ گوہر پہ جس کے دامن کو
کثافتوں کا تصور بھی چھو نہ سکتا ہو

سلام اس دلِ روشن کی حق اساسی پر
سلام ان کے کمالِ خدا شناسی پر

سلام حکمت و دانش پہ جسکا ہر ارشاد
بنا ہے قصرِ صلاح و فلاح کی بنیاد

سلام صدق و امانت کی شانِ عالی پر
سلام خلق و مروت کی بے مثالی پر

سلام اس نگہِ پاک کی طہارت پر
فرشتے رشک کریں جس کی شانِ عصمت پر

یقینِ محکم و ایمانِ مستقل پہ سلام
خلوص و مہر و وفا و صفائے دل پہ سلام

سلام بخشش و احسان کے فیضِ جاری پر
سلام شیوۂ ایثار و غم گساری پر

سلام چشمِ عنایت کی چارہ سازی پر
سلام حسنِ تکلم کی دل نوازی پر

کمالِ خلق کی ہر شانِ دل نشیں پہ سلام
جمالِ ذات کے آئینۂ حسیں پہ سلام

یہ میرا نعرۂ مستانہ صلوٰۃ و درود
ہے اپنے عقدۂ دشوارِ زندگی کی کشود

یہ اک وسیلۂ اظہارِ مدعا بھی ہے
مرا سلام مرے دل کی التجا بھی ہے

گدائے راہ کا سلطانِ دو جہاں کو سلام
سلامِ تشنہ لبی چشمۂ حیات کے نام

سلام خاک کے ذرے کا مہرِ تاباں کو
سلام قطرۂ بے مایہ کا ابرِ نیساں کو

سلام خیرہ نگاہی کا نورِ کامل کو
سلامِ آبلہ پائی دلیلِ منزل کو

سلام جہل و ضلالت کا علم و عرفاں کو
سلام خارِ بیاباں کا بہارِ بستاں کو

سلام پیکرِ عصمت کو قلب مجرم کا — سلام عفو و عطا کو ضمیرِ نادم کا
سلام غرقِ معاصی صلاح و تقوی کو — سلام دیدۂ بے نور چشمِ بینا کو
فروغِ صبحِ سعادت کو بندگی کا سلام — حضور دستِ کرم دامنِ تہی کا سلام
یہ پاسداریٔ رسمِ جہاں کی بات نہیں — یہ التزام رسومِ بیاں کی بات نہیں
دلِ حزیں کی یہ سب سے بڑی تمنا ہے — مرا سلام مری روح کا تقاضا ہے

قبول ہو تو سعادت نصیب ہو جائے
بھٹکنے والے سے منزل قریب ہو جائے

غزل

از جناب علی عرفان زیدی بدایونی (ایم اے)

جنھیں راہ دنیا میں رہبر کامل نہیں ملتا — انہیں منزل تو منزل جادۂ منزل نہیں ملتا
محبت قربتوں ہی سے جلا پاتی ہے دنیا میں — نہ ہوں جب تک نگاہیں چار دل سے دل نہیں ملتا
جو طوفاں سے گزر جانے کی ہمت چھوڑ دیتی ہے — وہ کشتی ڈوب جاتی ہے اسے ساحل نہیں ملتا
نہ ہو یوں بھی کنارہ کش کوئی گوشہ نشینوں سے — کسی محفل میں اب وہ رونقِ محفل نہیں ملتا
زمانہ محوِ حیرت ہے یہ بستی کیسی بستی ہے — یہاں ہر کوچہ مقتل ہے مگر قاتل نہیں ملتا
یہاں حدِ نظر تک منزلیں ہی منزلیں دیکھیں — مسافر کوئی بھی آسودۂ منزل نہیں ملتا

جو اوروں کا سکونِ زندگی برباد کرتے ہیں
انھیں عرفانؔ دنیا میں سکونِ دل نہیں ملتا

باب التقریظ والانتقاد

موطاء الامام مالک روایۃ محمد بن حسن الشیبانی
مع التعلیق الممجد علی موطاء محمد (جلد اول، دوم، سوم)

تحقیق و تعلیق ڈاکٹر مولانا تقی الدین ندوی، متوسط تقطیع، کتابت ٹائپ، کاغذ و طباعت نہایت عمدہ، مجلد، مجموعی صفحات دو ہزار ~~۲۰۰~~، قیمت تحریر نہیں، پتے (۱) دارالسنۃ والسیرۃ، حلیمہ اپارٹمنٹس ونگ C ـ F بمبئی ۹۵ مارلینڈ روڈ، بمبئی ـ ۲۰ (۲) دارالقلم پوسٹ بکس ۴۵۲۳ ـ حلونی دمشق (۳) پوسٹ بکس نمبر ۶۵۰۱/۱۱۳ بیروت۔

امام مالکؒ سے ان کے متعدد تلامذہ نے ان کی شہرۂ آفاق تصنیف موطا کی روایت کی ہے، جن میں امام یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کے نسخہ کو زیادہ شہرت و مقبولیت نصیب ہوئی، امام اعظمؒ کے ممتاز شاگرد امام محمدؒ بن حسن شیبانی نے بھی امام مالکؒ سے موطا کی روایت کی تھی مگر اسکی جانب کم اعتنا کیا گیا، اس لیے ہندوستان کے متبحر عالم مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ نے التعلیق الممجد کے نام سے اس کی شرح لکھ کر اس کمی کی تلافی کی مگر یہ مہتم بالشان شرح موطاء امام محمدؒ کے حواشی اور بین السطور میں فارسی رسم الخط میں بہت خفی اور لیتھو پر چھپی تھی اسلیے عرب فضلاء اس سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے اور وہ عموماً اس سے ناواقف بھی تھے۔

اس ضرورت کو محسوس کر کے ڈاکٹر مولانا تقی الدین ندوی نے موطا امام محمدؒ اور اسکی شرح التعلیق الممجد کا یہ عمدہ نسخہ تین جلدوں میں شایع کیا ہے، ان کو فن حدیث سے جو شغف و اشتغال ہے اس کی بنا پر انھوں نے یہ کام بڑی خوبی اور سلیقہ سے انجام دیا ہے اور اس پر مفید تعلیقات کا اضافہ بھی کیا ہے، انھوں نے شرح کے متفرق حواشی

جمع کرکے ان کو مناسب جگہ پر رکھا، ان کے اغلاط کی نشاندہی کی، اگر کسی لفظ کے بارے میں شبہ ہوا تو شارح کے مراجع سے اس کی تصحیح کی اور اکثر جگہوں پر ایسی تعلیقات تحریر کیں جن سے شرح کا فائدہ بڑھ گیا، انھوں نے اس میں واردآیات واحادیث کی تخریج کے علاوہ اس کے مجمل ماخذ ومراجع کی مفصل نشاندہی کی اور سات مختلف النوع فہرستیں بھی مرتب کیں۔

یوں تو ہر جلد کے آخر میں موضوعات کے اعتبار سے فہرست دی گئی ہے، لیکن تیسری جلد کے آخر میں مزید چھ فہرستیں ہیں، پہلے قولی وفعلی احادیث اور صحابہ وتابعین کے آثار کی تین فہرستیں حروف معجم کی ترتیب پر ہیں، احادیث وآثار کے رواۃ کے نام بھی جلدوں اور صفحات کی صراحت کے ساتھ دیے گئے ہیں، پھر جن اشخاص کا ترجمہ شرح میں مذکور ہے، ان کے ناموں کی فہرست جلد وصفحات کی تعیین کے ساتھ دی ہے اس کے بعد فقہی وحدیثی مسائل کے لحاظ سے ہر جلد کی الگ الگ دو فہرستیں ہیں، آخری فہرست خود محقق کے مراجع کی ہے۔

شروع میں شام کے مشہور فاضل اور مولانا عبدالحئی کے خاص عظمت شناس استاد عبدالفتاح ابوغدہ کے مبسوط مقدمہ اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تعارفی تحریر سے بھی یہ کتاب مزین ہے، استاد ابوغدہ نے موطا بروایت امام محمد کی اہمیت اور خوبی پر مختلف حیثیتوں سے بحث کی ہے اور امام محمدؒ پر بیجا اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے، ابتدا میں التعلیق الممجد کے قدیم مطبوعہ نسخہ کے ایک صفحہ کا عکس بھی دیا گیا ہے جس سے اسکے اور موجودہ ایڈیشن کے نمایاں فرق کا پتہ چلتا ہے۔

لایق محقق نے اس کتاب کو شایع کرکے نئی زندگی دی ہے، وہ اس علمی ودینی خدمت پر اہل علم کے شکریے کے مستحق ہیں۔

"ض"

مطبوعات جدیدہ

نقد ملفوظات از پروفیسر نثار احمد فاروقی، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۲۶۲ مجلد مع خوبصورت گرد پوش، قیمت ۷۵ روپیے پتے (۱) مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اردو بازار جامع مسجد دہلی (۲) انجمن ترقی اردو (ہند) اردو گھر راؤز ایونیو نئی دہلی (۳) دانش محل امین الدولہ پارک، لکھنؤ۔

تصوف لایق مصنف کا بہت محبوب موضوع ہے، انھوں نے اس کے لٹریچر کا مطالعہ بڑی دقت نظر سے کیا ہے، خصوصاً ہندوستان سے تعلق رکھنے والے اکابر چشتی صوفیائے کرام کی کتابیں اور ملفوظات ان کی توجہ کا مرکز رہے ہیں، ہندوستان میں تصوف کے جو سلاسل رائج ہوئے ان میں سلسلۂ چشتیہ کو زیادہ مقبولیت نصیب ہوئی، زیر نظر کتاب کے پہلے حصہ میں اس سلسلہ کی چار اہم اور مرکزی شخصیتوں حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت قطب الدین بختیار کاکی، حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیا (رحمہم اللہ) کے خط وخال نمایاں کیے گئے ہیں، پہلا مضمون حضرت خواجہ اجمیریؒ کے بارے میں ہے جس میں ان کے سلسلہ کی مقبولیت کے اسباب اور اس کی اہم خصوصیات بتائی ہیں، نیز ان کے حالات کے بعض قدیم اور اہم ماخذ کا ذکر کرکے ان کے بعض مندرجات کا جائزہ لیا ہے، دوسرے میں حضرت خواجہؒ کے سب سے ممتاز خلیفہ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے بعض حالات وواقعات تلاش وتفحص سے لکھے ہیں، ایک مضمون میں چشتی سلسلہ کے مندرجۂ ذیل ملفوظات مجالس حسنہ، کشکول کلیمی، مکتوبات کلیمی، خلاصۃ الفوائد اور انوار الصفی،

کی مدد سے حضرت نظام الدین اولیاؒ کے حالات و تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے، دو مضامین میں حضرت خواجہ اولیاؒ اور حضرت بابا فریدؒ کے حالات کے دو اہم ماخذ احسن الاقوال اور درر نظامی کا تعارف کرایا ہے اور ان سے دونوں بزرگوں کی تعلیم سلوک، آداب درویشی اور سوانحی معلومات قلمبند کیے ہیں، سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے دو بزرگوں حضرت امیر خسرو اور حضرت شاہ عبدالہادی امروہوی پر بھی سیر حاصل مضامین دیے گئے ہیں، مصنف نے اس حصہ کے مضامین میں ملفوظات کے کئی مجموعوں پر بڑی فاضلانہ بحث و تبصرہ کرکے ان کا عطر کشید کیا ہے، ملفوظات کے اس جائزہ میں مصنف نے جوش کو ہوش پر اور عقیدت کو حقیقت پسندی پر غالب نہیں آنے دیا ہے، اسی لیے حضرت خواجہ قطب الدینؒ کی جانب فوائد السالکین کے انتساب کو جعلی بتایا ہے اور لکھا ہے کہ نہ یہ قطب صاحب کے ملفوظات ہیں اور نہ ان کے جامع حضرت بابا فرید ہوسکتے ہیں، کئی جگہ انھوں نے مبالغہ آمیز حکایات و واقعات کو قبول کرنے میں تامل و تردد ظاہر کیا ہے، آخری حصہ میں تصوف پر پانچ نظری مضامین درج ہیں جو بڑے قیمتی اور مصنف کے مطالعۂ تصوف کا نچوڑ ہیں، ان میں تصوف پر عامیانہ اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے اور تصوف کی حقیقت و اہمیت اور دور حاضر میں اس کی ضرورت و معنویت اور دین سے اس کی ہم آہنگی بھی دکھائی ہے، ان کو موجودہ ارباب تصوف سے یہ بجا شکایت ہے کہ انھوں نے خانقاہوں کو درگاہوں میں تبدیل کرکے اپنی نگاہیں صرف آمدنی پر مرکوز کرلی ہیں، حالات صوفیہ پر لکھی جانے والی کتابوں میں زیادہ اہمیت فوق العادت واقعات اور کشف و کرامات کو دی جاتی ہے اور ان بزرگوں کے سوانح حیات، ملفوظات، اصلاحی و تبلیغی خدمات کی طرف مطلق التفات نہیں کیا جاتا، اس لیے فاضل مصنف کی کوشش یہ ہے کہ اسلامی

تصوف کو تمام تعصبات سے بلند ہوکر پڑھا جائے اور اولیاء اللہ کی سیرت و سوانح و ملفوظات کا معروضی مطالعہ کیا جائے تاکہ ان کی شخصیت اور زیادہ اجلی ہوکر نگاہوں کے سامنے آسکے، یہ کتنی مبارک کوشش ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بارآور کرے۔

شہر ستم از پروفیسر ملک زادہ منظور احمد، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت وطباعت بہت عمدہ، صفحات ۱۰۴، مجلد مع خوبصورت گردپوش، قیمت ۶۰ روپیے، پتے (۱) دانش محل امین آباد لکھنؤ، (۲) شہر ادب، سی۔ ۱۳۳۹۔ اندرا نگر لکھنؤ۔ ۱۶۔

پروفیسر ملک زادہ منظور احمد اردو زبان و ادب کے دیرینہ خادم اور مشہور ادیب و شاعر ہیں، یہ مجموعہ ان کی شاعری (نظم و غزل) کا انتخاب ہے، وہ بڑا دردمند اور حساس دل رکھتے ہیں:

عجیب درد کا رشتہ ہے ساری دنیا میں   کہیں ہو جلتا مکان اپنا گھر لگے ہے مجھے

مجموعہ کا موثر و بلیغ نام اپنے اندر جہان معانی لیے ہوئے ہے، اس سے ملک زادہ صاحب کے اچھے ذوق کے علاوہ ان کی بے قرار اور بے چین طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے، شہر ستم کے دلدوز مناظر نے ان کی فکر کو زخمی اور دل کو لہولہان کردیا ہے اس لیے انکی شاعری میں مقتل کے استعارے، کوچۂ قاتل کی تصویریں اور قاتلوں کے گھروں میں بھی عزاداری کا طرفہ تماشا دکھائی دیتا ہے، مگر شہر ستم کے خونچکاں واقعات اور اندھیری رات کی ہولناکیوں میں بھی انہیں امید کی کرن نظر آتی ہے اور وہ راہ شوق کے ساتھیوں کو تیز گام ہونے اور اس کی دعوت دیتے ہیں۔

جلائیں دل کہ سمٹ جائے تیرگی شب کی   نہ جانے کب ہو سحر، کون انتظار کرے

وہ شہر ستم کے جفا پروروں کو نشۂ قوت کے خطرناک ہونے سے بھی آگاہ کرتے ہیں کہ تشنہ لبی

جب ذوق عمل دیتی ہے تو رند میکدے کا ساقی بدل دیتے ہیں، شہر بے اماں نے انا میں گرفتاروں کے سر کچل دیے ہیں اور باد خزاں کی شہ پر کھلنے والے گلوں کو دست صبا نے مسل دیا ہے، معنویت سے پُر ہونے کے علاوہ یہ مجموعہ ظاہری نفاست میں بھی بے مثال ہے۔

دیدہ و شنیدہ (خود نوشت) مرتبہ جناب سید شہاب الدین دسنوی، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۱۳۶، قیمت ۳۵ روپے، بیرون ملک سے ۴ ڈالر پتے: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی اور اسکی شاخیں (۲) انجمن ترقی اردو (ہند) راؤز ایونیو نئی دہلی۔

یہ مصنف کے خود نوشت حالات ہیں جس کی ابتدا انھوں نے اپنے وطن دلیسنہ اور اسکی لائبریری کے پُراثر تذکرہ سے کی ہے، پھر ان شہروں کا ذکر ہے جہاں انھوں نے تحصیل علم کی، اس ضمن میں بعض خاص اساتذہ کا ذکر بھی آگیا ہے، اس کے بعد بمبئی کی انجمن اسلام اور صابو صدیق پالی ٹکنک کی جو ذمہ داریاں ان کو تفویض کی گئیں، ان کے سلسلے کے مشاغل کا بیان ہے، اس دوران میں وہ اسٹریلیا، پیرس، لندن، سوئٹزرلینڈ، امریکہ، ترکی، پاکستان گئے اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، ان سب جگہوں کے بارے میں اہم اور مفید باتیں بتائی ہیں، وہ جن ممتاز اشخاص سے ملے اور جن تقریبات میں شریک ہوئے اور جو تقریریں کیں ان سب کی روداد تحریر کی ہے، ہمدرد نگر اور دار المصنفین سے تعلق اور پٹنہ میں بود و باش اختیار کرنے کا ذکر بھی کیا ہے، اس طرح یہ کتاب معلوماتی اور اس صدی کے بعض واقعات کی دستاویز ہے اور یہ آپ بیتی ہی نہیں جگ بیتی بھی ہے، مصنف کی زندگی علمی و تعلیمی خدمت میں گزری ہے اور وہ متعدد علمی، تعلیمی، سماجی اور اصلاحی اداروں سے مختلف حیثیتوں سے وابستہ رہے ہیں، جن کے بارے میں ان کے معلومات، تجربات

اور مشاہدات وسیع اور گہرے ہیں، اس کتاب میں ان کا نچوڑ آگیا ہے، اس سے قومی اصلاحی علمی اور تعلیمی کام کرنے والوں کو مدد ملے گی، مصنف کی تحریر سادہ مگر حشو و زوائد اور تکلف و بناوٹ سے خالی ہے، اس کی بے ساختگی اور دردمندانہ لہجہ پُرکشش اور موثر ہے، لیکن واقعات کو غیر مرتب لکھنے کی توجیہ سمجھ میں نہیں آئی، دار المصنفین کی گولڈن جبلی کا ذکر بھی رہ گیا ہے جس کی کامیابی کے لیے انھوں نے بمبئی میں منشی عبد العزیز مرحوم کے تعاون سے پوری جد و جہد کی تھی، شروع میں میر کے مصرعے الٹ پلٹ گئے ہیں اور ص ۲۶ پر "سرفروشی کی تمنا اب ہمارے سر میں ہے" غلط لکھا ہے، بسمل عظیم آبادی کی جانب اس کا انتساب بھی پوری طرح محقق نہیں ہے، کتابت کی غلطیاں بھی ہیں۔

"ض"

اسلامی شریعت کا عمومی نظریہ از جناب ڈاکٹر جمال الدین عطیہ، متوسط تقطیع، کاغذ اور کتابت و طباعت بہترین، صفحات ۳۵۲، قیمت ۹۵ روپے، پتہ: اسلامک فقہ اکیڈمی، جامعہ نگر، نئی دہلی، ۲۵۔

ڈاکٹر جمال الدین عطیہ نے قطر یونیورسٹی کی کلیۃ الشریعہ میں چند خطبے دیے تھے، زیر نظر کتاب ان ہی کا مجموعہ ہے، جو بارہ ۱۲ ابواب پر مشتمل ہے، ان میں اسلامی شریعت کی خصوصیات، شریعت کے مقاصد و کلی قواعد، اس کے احکام کا محل، اقسام و ماخذ اور حکم شرعی کے شخصی زمانی و مکانی دائروں پر عالمانہ گفتگو کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت سے صاحب اجتہاد قاضی تک اور شریعت کی حکمرانی سے عالمی شریعت اور بین الاقوامی تعلقات تک متعدد اہم پہلوؤں کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے، فاضل مصنف کا دائرۂ فکر وسیع ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "عصر حاضر کی اصطلاح کے اعتبار سے قانون اور اخلاق کے دائروں کی حد بندی شریعت میں پائیدار اور ناقابل تغیر

چیز نہیں ہے بلکہ مصلحت عامہ کے تقاضوں کے مطابق یہ حد بندی لچک دار اور تغیر پذیر ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ "جب اخلاقی معیار بلند اور دینی محرک قوی ہوگا تو دنیوی جزا کا دائرہ انتہائی محدود ہوگا" اس سلسلہ میں انھوں نے شام اور تونس کی اس قانون سازی کا ذکر کیا ہے جس کی رو سے تین طلاقوں کے مسئلہ میں اور شوہر کے بغیر شرعی سبب کے بیوی کو طلاق دینے کی صورت میں معاوضہ لازم کرنے کے اصول کو اپنایا گیا ہے لیکن ظاہر ہے یہ کوئی حجت تو نہیں ہے، اسلام کے صدر اول کے بعد فقہی مسالک کے ظہور کے زمانہ میں قاضیوں نے اپنے اپنے مسلک کی روشنی میں فیصلے دینے شروع کیے اس کے متعلق ان کا خیال ہے کہ "زیادہ بہتر یہ تھا کہ قاضی اپنے فیصلہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کرنے میں آزاد ہوتے" کتاب کے مترجم کا نام کہیں درج نہیں ہے، دقیق مباحث کے ترجمہ میں سلاست اور شگفتگی باقی رکھنا آسان نہیں چنانچہ جگہ جگہ ترجمہ پن کا احساس ہوتا ہے، بعض جگہ عبارتیں گنجلک ہوگئی ہیں جیسے یہ عبارت "مسئولیت کے بارہ میں اگرچہ اصل قاعدہ یہی ہے کہ مسئولیت شخصی ہوتی ہے لیکن ایک ہی سوسائٹی کے افراد کے درمیان اجتماعی تعاون کے محرکات نے اجتماعی مسئولیت کی بعض صورتوں کو لازم کیا ہے اجتماعی مسئولیت کی یہ صورتیں مسئولیت کے بارہ میں اصل قاعدہ (یعنی مسئولیت کا شخصی اور انفرادی ہونا) سے استثناء کا درجہ رکھتی ہیں" لفظی ترجمہ کی ایک اور مثال "...... اس کے برخلاف اصولی قیاس ایک جزئی حالت سے دوسری جزئی کی طرف منتقل ہوتا ہے، دقیق علمی تحقیق کے ذریعہ ان دونوں جزئیوں میں کوئی مشترک وصف پائے جانے کی وجہ سے" کہیں کہیں جملے اور عبارتیں عام اردو قارئین کے لیے عسیر الفہم ہیں جیسے ایک عام غیر متخصص تنقید کرنے والے، استقرادی تجربی منہج، اطراد کا قانون،

غالب اکثری، مقاصد حاجیہ، مقاصد تحسینیہ، سفیہ پہ حجر کیا، امر حاجی اور یہ عبارت "تخلف کرنے والی جزئیات سے مل کر کوئی ایسی کلی نہیں بن رہی ہے جو اس ثابت شدہ کلی کے معارض ہو" ایک جگہ سورۂ بقرہ کی آیت میں واللہ غفور حلیم کے بجائے رحیم لکھ دیا گیا ہے۔

عرفان آگہی از جناب ڈاکٹر خورشید نعمانی ردولوی، متوسط تقطیع، کاغذ اور کتابت و طباعت بہتر، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۸۴، قیمت ۴۵ روپئے پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، ابراہیم رحمت اللہ روڈ، بمبئی ۳......۴

زیر نظر کتاب ڈاکٹر خورشید نعمانی کے گیارہ متنوع مقالات و مضامین کا مجموعہ ہے، تنوع کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کے سیاسی افکار کے ساتھ ڈاکٹر ذاکر حسین کے سیاسی خیالات اور پنڈت نہرو کے تاریخی شعور پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، نقوش سلیمانی کے علاوہ حجاز کے ادبی مرتبہ کی تعیین بھی ہے، سلوک اور اصطلاحات سلوک پر بحث ہے تو کالی داس کی جامعیت پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے، اس تنوع کے باوجود لائق مولف نے اعتدال و توازن کا سررشتہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے، مولانا سید سلیمان ندویؒ کی محققانہ حیثیت اور کالیداس پر انکے مضامین جامع اور پُر از معلومات ہیں، البتہ ایک جگہ مغربی استعماریوں کے ساتھ مرہٹوں کی بغاوتوں کو بیرونی فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے، شاہ ولی اللہ کے سیاسی افکار کے سلسلہ میں بعض باتیں مزید وضاحت طلب تھیں، جیسے "جنگ پانی پت نے ہند کی تاریخ کا رخ بدل دیا" یا "شاہ صاحب کی پیشین گوئیوں اور بشارتوں سے ان کی سیاسی سوجھ بوجھ مترشح ہوتی ہے"۔ مولف نے کتاب کا انتساب اپنی اہلیہ کے نام کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ "انکی شخصیت میں اقبال کے مرد مومن کی خصوصیات بدرجۂ اتم موجود ہیں"۔

اختر انصاری، دیدہ پادید از جناب شمس بدایونی، متوسط تقطیع، بہتر کاغذ اور کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۰۴، قیمت ۲۵ روپئے پتہ: مکتبہ جامعہ، اردو بازار،

جامع مسجد، دہلی۔

اختر انصاری مرحوم نے اردو ادب، تنقید، افسانہ، شاعری اور فن تعلیم میں دیرپا اور قابل لحاظ نقوش چھوڑے ہیں، خاص طور پر انکے قطعات نے اردو شاعری کے سرمایہ میں بڑا اضافہ کیا، انکی بود و باش میں ایک خاص شائستگی اور آن تھی لیکن اس نجی زندگی کے اندرون میں تلخیاں بھی تھیں، ان کی زندگی کے آخری دور کو کتاب کے مولف نے قریب سے دیکھا اور ذاتی ڈائری کی صورت میں بعض اہم باتوں کو قلم بند بھی کیا، یادوں کے ان چراغوں کو انھوں نے کتابی شکل میں روشن کیا ہے، کتاب کا زیادہ حصہ اختر صاحب کے خطوط پر مشتمل ہے گو ان نجی مکاتیب سے ان کی ادبی اور ذاتی زندگی کے بعض اہم گوشے سامنے آتے ہیں مگر بعض خطوں میں ایسی باتیں بھی ہیں جن کا حذف کیا جانا ہی بہتر تھا، شروع میں ڈاکٹر وحید اختر اور ڈاکٹر لطیف حسین ادیب کی تعارفی تحریریں بھی ہیں۔

تذکرۂ واجدی از جناب مولانا محمد ثناء اللہ عمری، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ اور نفیس کتابت و طباعت، صفحات ۱۴۴، قیمت ۳۰ روپیے، پتہ: مکتبہ اعظمی، ایم، این اسٹریٹ، عمرآباد ۶۳۵۸۰۸۔

دارالسلام عمرآباد کے شیخ الحدیث مولانا عبدالواجد عمری مرحوم خطہ آرکاٹ مدراس کی مردم خیز سرزمین کے قابل فخر فرزند اور صاحب علم و فضل شخص تھے، شہرت سے نفور کے باعث بظاہر وہ گمنام رہے لیکن انکے فضل و کمال کا اعتراف ملک کے مشاہیر کو بھی تھا، زیر نظر کتاب کے مولف انکے لائق شاگرد ہیں، انھوں نے اپنے استاد گرامی پر خود بھی ایک پُر تاثر مضمون لکھا ہے اور متعدد اہل قلم کی تحریروں کو بھی جمع کیا ہے، اس طرح اس میں مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری اور مولانا محمد یوسف کوکن وغیرہ کے تاثرات بھی شامل ہیں، مولانا عبدالواجد عمری مرحوم کی چند تحریروں اور تقریروں سے بھی کتاب کی قدر و قیمت بڑھ گئی ہے۔

ع۔ ص۔